بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انوارِ راہ روانِ ہدیٰ

محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی

ناشر
مکتبہ نعیمہ

نمبر	عناوین	صفحہ
۱	تقریظ	۵
۲	پیشِ لفظ	۶
۳	حضور ﷺ کی سیرت کی جامعیت	۸
۴	نبی آخر الزماں ﷺ کا حسن بے مثال:	۱۰
۵	نبی کریم ﷺ کے حلیہ مبارک کا مختصر خاکہ:	۱۶
۶	شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ	۲۱
۷	فرشتہ صفات بے نظیر انسان حضرت مولانا واجد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۲۴
۸	مکارم اخلاق:	۲۵
۹	بے نفس مہربان استاذ حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۲
۱۰	حلیہ مبارک:	۳۲
۱۱	حضرت الاستاذ، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری	۳۳
۱۲	مدرس بے مثال:	۳۵
۱۳	حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جامعیت:	۳۸
۱۴	فقاہت بھی صلابت بھی، راست گوئی اور صاف گوئی:	۳۹
۱۵	بڑے قاری صاحب کا بڑا مقام	۴۲
۱۶	مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۴۷
۱۷	حضرت مولانا عاقل صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۵۰
۱۸	حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب چاسوی دامت برکاتہم	۵۲
۱۹	ایک یادگار ملاقات:	۵۴
۲۰	حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کی بافیض صحبت:	۵۶
۲۱	ایک سبق مولانا الیاس صاحب کی درس گاہ میں	۵۸
۲۲	ذکر ایک ملاقات کا:	۶۰

نمبر	عناوین	صفحہ
۲۳	محسن ومخلص استاذ حضرت مولانا مفتی حفظ الرحمٰن سیملکی	۶۲
۲۴	ایک بڑا احسان:	۶۳
۲۵	تعطیلات میں مدرسہ :	۶۴
۲۶	تعطیلات میں نظام تعلیم :	۶۵
۲۷	ایک مجلس کا تذکرہ:	۶۶
۲۸	ویحسن الحسن ویقویه:	۶۶
۲۹	ویقبح القبیح و یوهنه:	۶۷
۳۰	دو اساتذہ کی دو دو مثالیں:	۶۸
۳۱	چیٹ جی پی ٹی (Chat GPT):	۶۹
۳۲	اساتذہ اپنی نصیحت کو کم نہ سمجھیں:	۷۰
۳۳	حضرت مولانا قاری رضوان صاحب دامت برکاتہم	۷۱
۳۴	حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم	۷۴
۳۵	جامعہ ڈابھیل اور میرے پہلے استاذ :	۷۷
۳۶	مولوی یوسف سورتی:	۸۲
۳۷	مولانا ابو بکر صاحب زید پوری ہمارے بزرگ ساتھی مولانا ابوبکر زید پوری زید مجدھم	۸۳
۳۸	عربی زبان کا اثر انگریزی پر اور مولانا ابوبکر صاحب ندوی	۸۵
۳۹	بر وفات حسرت آیات والدہ محترمہ	۸۸
۴۰	واماہ ہائے میری ماں	۸۸
۴۱	والدہ مرحومہ کی دینداری	۹۵
۴۲	اپنے بچوں کی دینی تعلیم کی فکر	۹۶
۴۳	محبت شفقت محنت مشقت رفق و دبدبا	۹۶

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب	:	انوارِ راہ روانِ ہدیٰ
مرتب	:	محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی
کمپوزنگ	:	رحمانی گرافکس،9270708963
صفحات	:	100
اشاعت	:	پہلا ایڈیشن2025ء
قیمت	:	
ناشر	:	مکتبہ نعیمہ، ممبئی
ملنے کے پتہ	:	ادارۂ صدیق ڈابھیل 9664918503 مکتبہ نعیمہ ممبئی 9819886832

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

مولانا مفتی مدثر بن یوسف سونی والا

مدرس القرآن فی المسجد النبوی الشریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحبِہٖ أَجْمَعِیْنَ.

زیرِ نظر کتاب — انوار راہ روان ہدی — اپنے مؤلف محترم مولانا محمد یحییٰ بن عبد الحفیظ انوری قاسمی صاحب حفظہ اللہ کی محنتِ صادقہ اور اپنے اساتذۂ کرام سے والہانہ تعلق کا مظہر ہے۔

مصنف نے نہایت سادگی، اخلاص اور احترام کے ساتھ اُن شخصیات کے علمی و روحانی نقوش کو قلم بند کیا ہے جنہوں نے ان کی علمی، فکری اور عملی زندگی کو سنوارا اور جن کا فیض آج بھی جاری ہے۔

یہ مضامین محض تذکرے نہیں، بلکہ ایک شاگردِ باصفا کے دل کی دھڑکنیں اور ایک مؤمن کے احساساتِ وفا کی تصویریں ہیں۔ ہر استاد کے ذکر میں عقیدت کی سچائی، بیان میں شائستگی، اور اسلوب میں محبت کی خوشبو نمایاں محسوس ہوتی ہے۔

مصنف نے اپنے اندازِ تحریر میں نہ مبالغہ کیا ہے اور نہ ضرورت سے زیادہ اختصار، بلکہ ہر مقام پر حقِ تذکرہ ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

میری نظر میں اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ آنے والی نسلوں کو استاد اور شاگرد کے پاکیزہ رشتے کی یاد دلاتی ہے — ایک ایسا رشتہ جس کی بنیاد احترام، اعتماد اور اخلاص پر ہوتی ہے، اور جو انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ بنتا ہے۔

دعا ہے کہ یہ مجموعہ قارئین کے اندر اپنے اہلِ علم کے ساتھ محبت، وفاداری اور قدر شناسی کے جذبات کو تازہ کرنے کا ذریعہ بنے، اور مصنف کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔

اللہ تعالیٰ مصنف کی اس مخلصانہ کوشش کو قبول فرمائے اور انہیں مزید علم، توفیق اور اخلاص عطا فرمائے۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین۔

مدثر احمد آبادی ثم مدنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَشْرَقَ بِنُوْرِ الْعِلْمِ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ، وَأَكْرَمَ بِفَضْلِهِ وَبِعِلْمِهِ الْمُعَلِّمِيْنَ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ مُعَلِّمًا وَرَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ.

علم و تربیت کے سفر میں جن شخصیات نے اپنے کردار، علم، اخلاق اور اخلاص سے میری زندگی کو سنوارا، اُن کی یادیں میرے دل و دماغ پر ہمیشہ نقش رہیں۔

استاد، شاگرد کے لیے محض معلم نہیں ہوتے بلکہ چراغِ راہ اور رہبر منزل ہوتے ہیں۔ انہی چراغوں کی روشنی میں میں نے اپنی علمی و فکری زندگی کا سفر طے کیا ہے۔

اس کتاب میں میں نے اپنے اُن اساتذۂ کرام کا ذکر کیا ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، نیز اُن اساتذہ کا بھی جن کی زندگی آج بھی علم و عمل سے روشن ہے۔

ہر ایک استاد کے تذکرے میں اُن کے علمی مقام، تربیتی اثرات اور اُن اوصاف کا بیان ہے جنہوں نے اُنہیں ہمارے لیے مثال اور سرمایۂ افتخار بنایا۔

یہ مضامین کسی منصوبہ بندی کے تحت نہیں لکھے گئے، بلکہ ہر ایک مضمون ایک خاص موقع پر — کسی استاد کی وفات، ملاقات یا کسی یادگار موقع پر — دل کے جذبے اور اخلاص کے ساتھ قلم بند کیا گیا۔

جب یہ سب تحریریں یکجا کی گئیں تو ایک ایسی تصویری جھلک سامنے آئی جو میرے تعلیمی و روحانی سفر کی تاریخ بھی ہے اور میرے قلبی تعلقات کا اظہار بھی۔

میرے بہت سے عظیم، جلیل القدر مربّیوں اور محسن اساتذہ کا ذکر اس کتاب میں شامل نہیں ہو سکا، کیوں کہ مقصد تمام اساتذہ کا احاطہ نہیں بلکہ صرف اُن حضرات کے کچھ واقعات و تاثرات قلم بند کرنا تھا جن کے ذکرِ خیر کا موقع میسر آیا۔

میری یہ کاوش اُن تمام اہلِ علم کے لیے نذرانۂ محبت ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو تعلیمِ دین کے لیے وقف کر دیا۔

اگر یہ تحریریں قارئین کے دلوں میں اساتذہ کے احترام اور تعلقِ شاگردی کی حرارت کو تازہ کرنے کا سبب بن سکیں، تو میں اپنے آپ کو کامیاب سمجھوں گا۔

اللہ تعالیٰ میرے اساتذۂ کرام کی قبور کو نور سے بھر دے، اُن کے درجات بلند فرمائے، اور زندہ اساتذہ کو صحت، عافیت اور طویل عمر بالخیر عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد یحییٰ بن عبد الحفیظ انوری قاسمی

وما توفیقی إلا باللہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ.

حضور ﷺ کی سیرت کی جامعیت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَمَا أَرۡسَلۡنَاکَ إِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَنَذِیۡرًا وَلٰکِنَّ أَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ.

وَقَالَ تَعَالٰی: ھُوَ الَّذِیۡ أَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ.

اللہ تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ”ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا“ اور فرمایا ”آپ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ آپ اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کر دیں“ آپ کو رحمت للعالمین بنایا گیا۔ آپ کو الاولین و الآخرین میں سب سے زیادہ علم دے کر معلم الناس بنایا گیا۔ عمدہ اخلاق کی تکمیل آپ سے کرائی گئی، رہتی دنیا تک کے لیے آپ نبی قرار دیے گئے آپ پر سلسلۂ نبوت کی مہر لگادی گئی، سارے انسانوں کے لیے آپ کی ذات بابرکات کو اسوہ اور آیڈیل بنایا گیا۔

ہمہ گیر مقاصد کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو آپ ہمہ گیر و جامع صفات بھی عطا کی گئی۔ آپ ظاہری جمال و خد و خال میں بھی یکتا تھے۔

عالم گیر کمال انسانیت و مروت اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے:

جس ذات کو ساری انسانیت کے لیے رحمت، معلم اور اسوہ بنا کر اللہ تعالی نے بھیجا ہو تو ظاہر ہے اس میں ویسا کمال اور ہمہ گیریت بھی ودیعت کی گئی ہو گی۔

آپ کو قیام اللیل کا حکم دیا گیا تو آپ نے اس طرح قیام فرمایا کہ پیروں میں ورم آگئے، کسی نے کہا کہ حضور آپ تو بخشے بخشائے ہیں پھر اس وقدر مشقت تو فرمایا ”أَفَلَا أَکُوۡنُ عَبۡدًا شَکُوۡرًا“۔

آپ کا صیام و قیام بھی مثالی تھا اور اکل و طعام بھی؛ صحابہ فرماتے ہیں آپ نے دو دن بھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا، کئی دن گزر جاتے آپ کے گھر کا چولہا گرم نہیں ہوتا، صحابہ نے فاقوں

سے ایک ایک پتھر پیٹ پر باندھ رکھے ہیں کہ کمر سیدھی رہے تو رسول خدا نے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ آپ خندق کھودنے میں صحابہ کے ساتھ شریک کار ہی نہیں بلکہ پیش پیش تھے۔

صحابہ کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہیں، قافلے میں پیچھے چلتے ہیں، بادشاہوں کی طرح لوگوں کو پیچھے چلانا اور دربار میں سامنے کھڑا کرنا آپ کی طبیعت کے خلاف ہے۔ گھر جاتے ہیں تو اپنا ذاتی کام خود انجام دیتے ہیں وہاں نہ چیختے نہ کسی کو مارتے ہیں۔

اگر آپ کو بادشاہوں کے لیے نمونہ چاہیے تو شاہ عرب کو دیکھ لو، اگر آپ باپ ہو تو فاطمہ کے ابا کی سیرت پڑھو، اگر آپ تاجر ہیں تو خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کی طرف سے ملک شام گئے ہوئے تاجر پر نظر ڈالو، اگر آپ ملازم ہیں تو مکہ والوں کی بکریاں چرانے والے سے سیکھو۔ اگر آپ استاذ ہیں تو معلم انسانیت سے روشناس ہوئیے، اگر آپ مصلح و مرشد ہوں تو مصلح الامت کی سیرت پڑھیے۔غرض آپ زندگی کے کسی شعبے اور مرحلے میں ہو نبی کریم ﷺ کی ذات آپ کو نمونہ نظر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا: بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ.

جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچایئے۔

اور آپ کو یہ بھی حکم تھا: وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ. ڈرایئے اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔

اور اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ. بلایئے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و دانائی سے اور عمدہ نصیحت سے۔

آپ نے اس پر خوب عمل کیا آپ نے اپنوں کو پرایوں کو علانیہ غیر علانیہ، تنہائی میں بر سر عام لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلایا کہ صرف ایک خدا کی پرستاری کر لو کامیاب ہو جاؤ گے۔ آپ اسی حکم کو لے کر مکہ کی گلیوں میں جاتے حج کے مناسک میں جاتے کبھی دعوت کے لیے آپ طائف تشریف لے گئے اور آپ اپنوں کے طعنے اور برائیاں سہتے، جو لوگ آپ کو الصادق الامین کہتے تھے وہی آپ کو جادوگر اور مجنون کہنے لگے آپ کو پتھر مارے جاتے، آپ پر ٹھٹا کیا جاتا، آپ کی بیٹیوں کو طلاق دے دی گئی ان سب کے باوجود آپ ہیں کہ لوگوں کے لیے گھلے جا رہے کہ وہ ایمان لے آئیں، کامیابی کی طرف آجائیں حتی کہ قرآن کو بارہا تسلی دینی پڑی۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ. اس لیے کہ وہ ایمان نہیں لاتے شاید آپ اپنی جان دے دیں گے۔

جب آپ کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے قتال کا حکم دیا گیا آپ نے راہ خدا میں بحکم خداوندی اپنی جان کو بھی جھونک دیا اور چند سالوں میں ایک منصفانہ اسلامی حکومت کا قیام فرمایا۔ پورے جزیرۃ العرب میں امن وعدل کا دور دورہ تھا، لوگ جہالت میں تاریکیوں سے نکل کر ہدایت کے انوار سے مالامال ہوگئے، جو قوم غیر مہذب حشرات الارض کھانے والی اجڈ سمجھی جاتی تھی اب وہ مہذب ومتمدن، اعلی اخلاق کی حامل بن گئی اور عن قریب ساری دنیا کی کمان ان کے ہاتھوں آنے والی تھی، لوگ بت پرستی سے نکل کر ادیان باطلہ سے ہٹ کر توحید خالص کی طرف آگئے حتی کہ شیطان ناامید ہوگیا اس بات سے کہ دوبارہ جزیرۃ العرب میں بت پرستی کی جائے گی۔ پھر یہی جزیرۃ العرب پورے عالم میں قرآن اور نبی آخر الزماں ﷺ کا پیغام لے کر رواں دواں ہوگیا اور جہاں میں جہاں گئے ہدایت کے چراغ روشن کیے۔

نبی آخر الزماں ﷺ کا حسن بے مثال: نبی کریم ﷺ باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ ظاہری محاسن کے بھی جامع تھے۔ اگر چہ ان محاسن کا کما حقہ ادراک عام لوگوں کو نہیں ہوتا تھا۔ لیکن کائنات میں آپ ﷺ سے زیادہ حسن کا مالک کوئی بھی نہیں تھا۔ امام قرطبی کا قول ہے کہ ”اگر آپ ﷺ کے تمام محاسن ظاہر ہو جاتے تو صحابہ آپ ﷺ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے۔“

علامہ مناوی فرماتے ہیں ”ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلف ہے کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک جن اوصاف کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں اپ جیسا نہیں ہوسکتا۔“

یہ محض اعتقادی چیز نہیں ہے، سیر احادیث اور تاریخ کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کمالات باطنیہ کے ساتھ جمال ظاہری بھی علی وجہ الاتم آپ ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔ صحابہ نے صرف وہی جمال با کمال اور حسن بے مثال بیان کیا ہے جو ان کو نظر آیا۔ جبکہ آپ کا حقیقی حسن اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ حتی کہ یہاں پر ہر مبالغہ حقیقت سے کم تر ہے۔ کیونکہ آپ کے اوصاف جمیلہ سے الفاظ عاجز ہیں خود صحابہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

لواحی زلیخا لورأین جبینه لاثرن بالقطع القلوب علی الید

ترجمہ: اگر حضرت یوسف کی محبت کی وجہ سے زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں میرے محبوب کی جبین حسین کو دیکھ لیتیں، تو ہاتھوں کی بجائے دل کو کاٹ دینے کو ترجیح دیتیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لو كنت من شيء سوى بشر　　كنت المضيء لليلة البدر

یعنی آپ بشر کے علاوہ اور کوئی چیز ہوتے تو چودھویں رات کے چمکتے چاند ہوتے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَحْسَنَهُ خَلْقًا۔ یعنی آپ لوگوں میں حسین ترین چہرے مہرے والے اور عمدہ ترین اخلاق والے تھے۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ.

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بہت حسین تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ سخی بھی تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي جَبْهَتِهِ. ”میں نے آپ سے بڑھ کر کسی خوبصورت کو نہیں دیکھا، ایسے لگتا تھا، جیسے آپ کی پیشانی میں سورج چل رہا ہو۔“ (شمائل ترمذی)

یعنی آپ کے چہرے کا حسن، چمک اور روشنی سورج کی طرح تھی، اس لیے آپ کے رخ انور کو دیکھنے کی کسی میں تاب نہیں تھی۔ طبرانی میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتے تو یوں محسوس کرتے گویا کہ تم سورج کو طلوع ہوتا دیکھ رہے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جَمِيلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ. (شمائل)

یعنی آپ کے چہرہ مبارک کے تمام پہلو نقش و نگار، خدو خال نہایت خوبصورت تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ چاند کی چودھویں رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پس خدا کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری نظر میں چاند سے زیادہ حسین دکھائی دے رہے تھے۔ (شمائل)

چاند سے تشبیہ دینا یہ کہاں انصاف ہے　　چاند پر ہیں جھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

ایک روایت میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَأَیْتُ شَیْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْہ کہ میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔

یہ لفظ بول کر انسان تو کجا ہر چیز یعنی شمس و قمر، ستارے اور کہکشاں وغیرہ کی نفی کر دی گئی ہے کہ میں نے کبھی بھی کوئی چیز آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھی۔ محض عقیدت کی بناء پر نہیں کہا گیا بلکہ نفس الامر ہی ایسا ہے اور یہ عقیدہ رکھنا آج بھی جزو ایمان ہے۔

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے جمال کی زکات

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے جمال با کمال کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا (حسین) نہ ان سے پہلے دیکھا نہ ان کے بعد دیکھا ہے۔

ایک دوسری جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی واردات قلبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یَقُولُ نَاعِتُہُ لَمْ أَرْ قَبْلَہُ وَلَا بَعْدَہُ مِثْلَہ۔ آپ کی صفت بیان کرنے والا بالآخر یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا کہ ”میں نے آپ سے قبل اور بعد آپ جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا۔“

حقیقت الامر یہی بات ہے کہ آپ کا مثل کائنات میں کوئی بھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ نہ پیدائش میں، نہ اخلاق میں اور نہ مقام و مرتبہ میں۔ آپ نے تمام فضائل دینیہ اور دنیویہ کو اپنے احاطے میں لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت کامل خلقت عطا فرمائی کہ جسم مبارک کے اعضاء نہایت تام، متناسب اور معتدل تھے، آپ کا قد مبارک بھی نہایت موزوں تھا، آپ کا رنگ مبارک بھی نہایت صاف، چمکدار، روشن اور سفید سرخی و گندمی مائل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم و فراست اور عقل و دانش میں بھی کمال عطا فرمایا تھا، آپ کی گفتگو اور کلام بھی نہایت صاف اور کمال فصاحت و بلاغت سے معجزانہ طور پر آراستہ تھی۔ اسی طرح خاندانی عز و شرف اور حسب و نسب کی برتری میں، اسی طرح کھانے پینے، پہنے رہنے وغیرہ تمام خصائل میں آپ بے مثل و بے مثال تھے۔

اسی طرح تمام اخلاق عالیہ اور آداب شرعیہ میں آپ کی مثال ناممکن ہے۔ چنانچہ حلم و برداشت، صبر و شکر، عدل و احسان، عفو و درگذر، جود و سخا، شرم و حیاء، شجاعت و مردانگی، وقار و سکون، رحمت و رافت جیسے اوصاف عالیہ و کاملہ آپ کی ذات بابرکات میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ آپ کی توصیف کو کماحقہ احاطۂ تحریر میں لانا دشوار ہے۔

دامان نگاہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار گلچینِ بہارِ تو ز دامان گلہ دارد

آپ کے انہی حقیقی اوصاف عالیہ و کاملہ کے پیش نظر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے متعلق کہا تھا:

وَ أَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِي وَ أَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاء

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ جیسا خوبصورت میری آنکھ نے کبھی دیکھا تک نہیں، اور آپ جیسا حسین وجمیل آج تک عورتیں جن ہی نہیں سکیں۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے ہیں گویا کہ جس طرح آپ چاہتے تھے ویسے ہی پیدا ہوئے ہوں۔

آپ جالب نظر، باعظمت صاف شفاف ہونے میں اور چمک، نرمی اور ملائمت میں ایسے تھے گویا آپ کو چاندی سے ڈھالا گیا ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ أَبْيَضَ كَأَنَّمَا صِيغَ مِنْ فِضَّةٍ. (شمائل)

یعنی آپ گورے تھے گویا کہ آپ کو چاندی سے ڈھالا گیا ہو۔

ابوطفیل فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔سعید جریری نے ان سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حلیہ میرے لئے بیان فرمائیں۔تو انہوں نے فرمایا:كَانَ أَبْيَضَ مَلِيحًا مُقَصَّدًا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگت والے حسین اور معتدل جسم والے تھے۔)

تین الفاظ میں خوبصورتی بیان کر کے کیا کمال کر دیا: یعنی آپ سفید (گورے) تھے لیکن چونے کی طرح سفید نہیں جو دیکھنے میں نظر کو بھاتا نہیں ہے بلکہ (جیسا کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے) آپ کا رنگ سفید مائل بسرخ تھا اور اس میں روکھا پن نہیں تھا بلکہ روشن چمکدار صاف شفاف سفید مائل بسرخ تھا سمجھنے کے لیے کہہ سکتے ہیں ''ہلکا پنک'' جس میں تراوٹ و ملاحت ہو۔

ملیح کا معنی حسین ہی کے ہوتے ہیں لیکن ایسا حسن جس میں اٹریکشن ہو بار بار دیکھنے کو جی کرے۔

نمایاں حسن یوسف میں سفیدی تھی صباحت تھی یہاں سرخی تھی گلگوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی

وجاہت بھی ملاحت بھی جمال دلبرانہ بھی جمال حسن بھی اور عظمت پیغمبرانہ بھی

تیسرا لفظ فرمایا: آپ معتدل الخلقت میانہ قد کاٹھی والے تھے۔ یہ حسن کی حقیقت بیانی میں نہایت ہی جامع لفظ ہے، در جہاں ملکۂ حسن کا خطاب جو دیا جاتا ہے وہ اسی پر پرکھ کر دیا جاتا ہے یہی کسوٹی اور معیار ہے، حتی کے کان اور ناک کے درمیان کے فاصلہ کو بھی ناپا جاتا ہے، انگلیاں، ان کے پوروے اور کلائی کی لمبائی، بازوؤں کی موٹائی اور دونوں مونڈھوں کے درمیان لمبائی کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر فٹ ہے یا نہیں۔

آپ کے حسن میں ایسا اعتدال اور کمال و جمال تھا کہ اس میں کسی جگہ بھی کوئی افراط و تفریط نہیں تھی۔ آپ نہایت موزوں متناسب متوازن قد کاٹھی کے مالک تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ماموں ہند بن ابی ہالہ فرماتے ہیں (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے اور بچپن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں گزرا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی اس عشق و محبت کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ تعریف کیا کرتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت بیان کرنے میں کامل مہارت رکھتے تھے۔)

مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ، بَادِنٌ، مُتَمَاسِكٌ، سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ، عَرِيضُ الصَّدْرِ، بَعِيدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعضاء معتدل اور پُر گوشت تھے اور بدن مبارک گھٹا ہوا تھا، پیٹ اور سینہ مبارک برابر تھے۔ سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ یہی اعتدال فی الخلق، تناسب اعضاء، توازن قد و کاٹھی اور چہرے کے خد و خال و رنگت میں اقتصاد ہی جمال میں کمال اور حسن بے مثال ہے۔

ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: أَجْمَلُ النَّاسِ مِنْ بَعِيدٍ وَأَحْلَاهُ وَأَحْسَنُهُ مِنْ قَرِيبٍ. (الشفاء) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے سب سے زیادہ جمیل اور قریب سے اور بھی زیادہ شریں اور حسین نظر آتے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریفہ پیش خدمت ہے: آپ فرماتے ہیں؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں عظیم تھے اور دوسروں کے نزدیک بھی عظیم تھے۔ آپ

ﷺ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ آپ درمیانہ قد سے قدرے لمبے تھے اور دراز قد سے قدرے پست تھے۔ آپ ﷺ کا سر مبارک معتدل بڑا تھا۔ آپ ﷺ کے بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اکثر سر کے بالوں میں خود مانگ نکل آتی تھی تو آپ ﷺ مانگ رہنے دیتے ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے بال مبارک کانوں کی لو سے تجاوز کر جاتے تھے جب کہ آپ بڑھا لیتے۔ آپ ﷺ کا رنگ مبارک سرخ و سفید تھا اور پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ آپ ﷺ کے آبرو مبارک باریک اور خم دار اور گنجان تھے اور دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے دونوں آبروں کے درمیان ایک باریک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر آتی تھی آپ ﷺ کی ناک مبارک اونچی بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا ابتداءً دیکھنے والا گمان کرتا کہ آپ ﷺ کی ناک اونچی ہے آپ ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔ آپ ﷺ کے رخسار مبارک ہموار تھے۔ آپ ﷺ کا دہن مبارک کشادہ تھا، سامنے کے دانتوں میں قدرے کشادگی تھی سینے سے ناف تک باریک بالوں کی لکیر تھی آپ ﷺ کی گردن مبارک مورتی کی گردن جیسی تھی جو صفائی میں چاندی جیسی تھی۔ آپ ﷺ کے تمام اعضاء معتدل اور پُر گوشت تھے اور بدن مبارک گھٹا ہوا تھا، پیٹ اور سینہ مبارک برابر تھے۔ سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ آپ ﷺ کے اعضاء کی جوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی اور مضبوط تھیں۔ جسم مبارک کا لباس سے خالی حصہ بڑا روشن اور چمکدار تھا۔ سینہ اور ناف کو بالوں کی ایک باریک لکیر ملاتی تھی اور سینہ کے اوپر حصہ میں بال تھے۔ آپ ﷺ کی دونوں کلائیاں دراز تھیں، دونوں پاؤں کے تلوے گہرے تھے، دونوں قدم مبارک ہموار تھے، پانی ان کی وجہ سے بہہ جاتا تھا۔ جب آپ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور جب قدم رکھتے تو جھک کر چلتے۔ قدم زمین پر آہستہ سے رکھتے۔ آپ ﷺ کی چال مبارک تیز تھی۔ آپ ﷺ چلتے تو کشادہ قدم رکھتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ ڈھلان سے اتر رہے ہیں۔ جب آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی نگاہ مبارک نیچے رہتی تھی اور بنسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ آپ ﷺ عموماً گوشہ چشم سے دیکھتے تھے اور چلنے میں صحابہ کرام کو آگے رکھتے تھے جس سے ملتے تھے تو سلام کرنے میں

خود ہی پہل فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

مَضَتِ الدُّهورُ وَما أَتَينَ بِمِثلِهِ وَلَقَد أَتَى فَعَجَزنَ عَن نُظَرائِهِ

گزر گئے کتنے ہی زمانے مگر اس جیسا کوئی نہ آیا۔ اور جب وہ آ گیا تو زمانے اس کے مانند کوئی ہم سر لانے سے عاجز ہو گئے۔

شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک کمال حسن کو پہنچا ہوا تھا جس طرح جمال معنوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی با کمال تھے جمال ظاہری میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لاثانی تھے۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا مختصر خاکہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و کمال کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو بیان کیا اس نے تمثیل کا سہارا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و کمال کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنی ہمت و وسعت کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک اور حسن و جمال کو بیان کیا ہے جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔اب ہم نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک اور حسن بے مثال و جمال بے نظیر کو احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام کے اقوال کی روشنی میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

آپ بہت لمبے تھے نہ پست قد تھے ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے میانہ قد تھے کہ آپ کا قد لمبائی کی طرف مائل تھا، جب آپ صحابہ کرام کے ساتھ چلتے تھے تو بطور معجزہ سب سے دراز قد نظر آتے تھے۔ آپ مضبوطی سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے کی طرف جھک کر تیز قدموں سے چلتے اور آپ کی چال میں نرمی بھی ہوتی۔ جب آپ آگے قدم رکھتے تو نرمی سے رکھتے گویا آپ کسی ڈھلان سے اتر رہے ہوں۔یہ شجاعت ، ہیبت و وقار اور تواضع کی رفتار ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت سفیدی اور سرخی کا حسین امتزاج تھی، جیسے سفید رنگ میں سرخی کے چند قطرے ملا دیے گئے ہوں۔دنیا میں سب سے خوب صورت رنگ یہی (سفید مائل بسرخ) سمجھا جاتا ہے۔ اور آپ کی رنگت میں چمک اور تراوٹ تھی، بدن کا جو حصہ عموما کپڑے سے خالی ہوتا ہے جیسے چہرا ہاتھ گردن وغیرہ وہ منور اور روشن تھے۔

آپ کی گردن اعتدال کے ساتھ لمبی قدرے باریک اور ایسی حسین و جمیل تھی جیسا کہ مورتی

کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگت چاندی کی طرح پرنور تھی۔

سراقہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ کی پنڈلی گویا کہ وہ ایک روشن چنگاری ہے۔محرش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:میں نے آپ کی پشت مبارک کو دیکھا تو ایسا لگا جیسا چاندی کی ڈلی ہو۔

آپ کے بال نہ بالکل گھنگریالے و پیچدار تھے، نہ بالکل سیدھے کنگھی کیے ہوئے، بلکہ ان میں قدرے شکستگی تھی، نیم گھنگریالے اور ہلکے پیچدار تھے۔ آپ کے بال نہایت سیاہ تھے آخر عمر میں چند بالوں کے علاوہ جن کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں تھی سفید نہ تھے، وہ سفید بال بھی تیل لگانے سے چھپ جایا کرتے۔ کچھ سفید بال داڑھی میں تھے کچھ مانگ نکالنے کی جگہ پر۔ بالوں کی لمبائی کبھی کانوں تک کبھی گردن تک اور کبھی مونڈھے تک پہنچتی۔ تمام بال یکساں کٹے ہوئے ہوتے، آپ کے بال اس حد تک نہیں پہنچے تھے کہ آپ کو مہندی لگانے کی ضرورت محسوس ہوتی بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آپ نے گاہے بگاہے مہندی لگائی ہے یا سر درد کی وجہ سے مہندی کا پھایا لگایا ہے۔آپ کی داڑھی مبارک گھنی اور گنجان تھی اور بالوں کا رنگ سیاہ تھا۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”آپ کا چہرہ مبارک ایسا جیسے مصحف کا ورق (پرنور، جاذب نظر ہوتا ہے) آپ کا چہرہ ستواں اور کتابی تھا، کچھ گولائی لیے ہوئے تھا، چہرے پر زیادہ گوشت نہیں تھا، چاند جیسا روشن چمکدار۔“

آپ کے چہرے کو کسی نے چاند سے تشبیہ دی ہے کسی نے سورج سے۔ شیخ الحدیث فرماتے ہیں: یہ تشبیہات سب تقریبی ہیں، ورنہ ایک چاند کیا ہزار چاند میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نور نہیں ہوسکتا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ ”اگر تجھے ممدوح کو عیب ہی لگانا ہے تو اسے چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دے دے اس کے عیب لگانے کے لیے یہی کافی ہے۔“

آپ کے چہرے کے نقش و نگار نہایت حسین پرکشش موزوں و متناسب تھے۔

پیشانی شفاف کشادہ تھی۔حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کی اس کیفیت کو ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے:

مَتٰی یَبْدُ فِی الدَّاجِ الْبَهِیْمِ جَبِیْنُه مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدِ

”رات کی تاریکی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک اس طرح چمکتی تھی جیسے اندھیری رات میں چراغ۔“

آنکھیں بڑی اور سُرمگیں تھیں، آنکھوں کی سفیدی نہایت سفید اور آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ تھی، آنکھوں کی سفیدی میں سرخ رنگ کے ڈورے پڑے ہوئے تھے، جو آنکھوں کی انتہائی خوبصورتی میں چار چاند لگاتے تھے، آپ ﷺ کی پلکیں دراز اور آبرو سیاہ گھنے باریک خمدار تھے، دونوں ابرو جدا جدا تھے، جو آپس میں ملتے نہیں تھے ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی۔

آپ ﷺ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا جو مردوں میں خوب صورت اور فصاحت کی علامت سمجھا جاتا ہے، آپ کا منہ تنگ نہ تھا بلکہ موزونیت کے ساتھ کشادہ تھا، آپ کے دانت مبارک باریک اور چمک دار تھے اور سامنے والے دانتوں میں ذرا فصل تھا۔ جب بات کرتے تھے تو اس میں سے نور نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا، ان دانتوں پر آپ کو مسواک کرنا زیادہ پسند تھا، جب اپ مسکراتے تو آپ کے دانت اولوں کی طرح سفید شفاف معلوم ہوتے۔

آپ ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی ناک کا بانسہ لمبا باریک اور درمیان سے محدب تھا۔اس پر ایک نور تھا۔پہلی دفعہ دیکھنے والا آپ کو بہت بلند ناک والا سمجھتا، حالاں کہ ناک مبارک بہت بلند نہیں تھی بلکہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی تھی۔ رخسار کشادہ نرم ہموار تھے نہ بہت زیادہ اُبھرے ہوئے تھے اور نہ بہت زیادہ دھنسے ہوئے تھے، بلکہ اعتدال اور توازن کا دل کش نمونہ تھے۔ان میں ایسی سرخی مائل سفیدی تھی کہ گلاب کو پسینہ آجائے،ایسی چمک تھی کہ چاند بھی شرما جائے،ایسی گدازی تھی کہ شبنم بھی پانی بھرتی دکھائی دے اور ایسی نرماہٹ تھی کہ کلیوں کو بھی حجاب آئے۔

آپ ﷺ کی جسمانی ساخت اور بدن کی قد کاٹھی نہایت موزوں متناسب معتدل اور مضبوط تھی، آپ گٹھے ہوئے بدن کے چست چابک انسان تھے۔ آپ کے اعضاء فربہ ہونے کے باوجود بڑے قوت والے تھے اور ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے تھے، گوشت بھی ہڈیوں سے پیوست تھا، جسم میں ڈھیلا پن نہیں تھا کہ لٹکتا ہوا نظر آئے۔

نبی اکرم ﷺ کی جسمانی ساخت چوڑائی کی طرف مائل تھی۔ اسی مناسبت سے آپ ﷺ کا سر مبارک بھی اعتدال کے ساتھ قدرے بڑا تھا، جو آپ ﷺ کی جسمانی ساخت کے عین مطابق تھا،یہ قوی اور کامل ترین دماغ کی علامت ہے جو آپ ﷺ کو دوسرے انسانوں سے

ممتاز کرتی ہے۔ یہ وصف موجود ہو تو فکری نظری اور دماغی قوتیں صحیح و درست ہوتی ہیں۔

آپ کے کندھوں کے درمیان چوڑائی کچھ زیادہ تھی جو شجاعت و مردانگی کی علامت ہے۔

آپ کی انگلیاں، ہتھیلیاں اور قدمین مبارک پُر گوشت مضبوط اور گداز تھے۔ یہ گرفت کی مضبوطی کی علامت ہے۔

اعضائے مبارک کے جوڑ کی ہڈیاں اور ہڈیوں کے سرے ذرا بڑے اور مضبوط تھے۔ یہ جسمانی قوت، صحت مندی، شجاعت اور نجابت کی علامت ہے۔

جسم پر غیر ضروری بال نہیں تھے۔ یعنی بازو اور پنڈلیوں اور خاص خاص حصوں کے علاوہ غیر ضروری بال نہیں تھے۔

سینہ اقدس فراخ و کشادہ اور آئینہ کی طرح سخت اور ہموار تھا۔ سینے کا چوڑا ہونا مردانہ حسن کے علاوہ تحمل اور بردباری کی علامت بھی ہے۔

سینہ پر بھی زیادہ بال نہ تھے صرف اوپر کے ابھرے ہوئے حصہ پر تھوڑے تھوڑے بال تھے لیکن سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لمبی دھاری تھی۔ شکم اور صدر ایک لیول میں تھے نہ پیٹ باہر کو تھا جو بیماری یا سبب بیماری ہے۔ نہ ہی سینہ باہر اور پیٹ اندر کو۔

آپ ﷺ کی دونوں کلائیاں دراز تھیں، دونوں پاؤں کے تلوے گہرے تھے، ایڑیاں گوشت سے خالی تھیں۔ دونوں قدم مبارک ہموار تھے، پاؤں میں دراڑیں نہ ہونے کی وجہ سے پانی بہہ جاتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی ظاہری اور معنوی صفات آپ ﷺ کو عطا کی گئی تھیں، جسمانی صورت اور حلیہ میں بھی آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ تھے۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ "أَنَا أَشْبَهُ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَ." "میں ابراہیم کی اولاد میں ان کے ساتھ سب زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ کے اوصاف، مدح اور حسن و جمال ایک ایسا ہی عنوان ہے جس کو احاطہ تحریر میں لانا دشوار ہے فکر لگام ڈال دیتی ہے، تشبیہیں پھیکی پڑ جاتی ہیں، قلم تھک جاتا اور سیاہی ماند پڑ جاتی ہیں۔

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتان آزری　　ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں بالاتری

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام بسیارخوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے

تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ بِقَدْرِ حُسْنِهِ وَجَمَالِهِ.

نوٹ: اس تحریر کے تمام اقتباسات شمائل ترمذی اور اس کی چند اردو شرحوں سے لیے گئے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ

میں نے جب جامعہ میں داخلہ لیا اور ایک آدھ سال کے بعد جب کچھ ہوش سنبھالا تو حضرت والا کا باقاعدہ شاگرد بننے کی امید جوان ہونے لگی، جس کی تسکین کچھ ختم بخاری کے اجلاس میں ہو جاتی، حضرت والا کی ختم بخاری بہت مشہور تھی، تقریباً سات مرتبہ ختم بخاری میں شرکت کا موقع ملا، ہر مرتبہ نئی تقریر ہوتی، نئے گوہر پارے برساتے، جن کا حقیقی ادراک سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۰۰۸ء کی وہ گھڑی آ ہی گئی جب مجھے اور میری جماعت کو حضرت والا سے پڑھنے کی سعادت ملی تھی، بالآخر حضرت پڑھانے آئے، پہلے ہی دن لطف آ گیا، جوں جوں دن گزرتے گئے مزہ دوبالا ہوتا گیا، جس دن حضرت بوجہ اپنی طبیعت خراب ہونے کے درس نہ دیتے تو ایک قسم کی اداسی چھا جاتی۔

بقرہ عید کی چھٹیوں سے پہلے طبیعت کچھ زیادہ بگڑ گئی، تعطیلات کے بعد معلوم ہوا کہ بیماری سے افاقہ نہیں ہے، اور آپ کو سورت کے ایک ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے، طبیعت بے چین تھی، ہم روز حضرت والا کی حاضری کی راہ تکتے رہتے، حضرت والا کی طبیعت اور آپ سے استفادے کی محرومی کی وجہ سے غم میں رہتے۔ ایک دن ہم چند دورے کے ساتھیوں نے حضرت والا کی عیادت کے لیے سورت کا سفر کیا، ہسپتال پہنچے، اجازت طلب کر کے حاضر خدمت ہوئے، یہ سوچتے و چارتے کمرہ میں داخل ہوئے کہ دوسری ملاقات ڈابھیل کی مسند حدیث پر ہوگی؛ کیوں کہ چہرے پر پہلے کی طرح بلکہ اس سے زیادہ رونق تھی، طبیعت ہشاش بشاش اور ملاقات پر تپاک تھی۔

مگر کسے پتہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، معمول کے مطابق علیک سلیک اور طبیعت پرسی ہوئی، دورانِ گفتگو حضرت نے ایک ایسی بات کہی کہ زمانے کا گذرنا اور عمر کا ڈھلنا اس کو میرے دل سے محو نہ کر سکا، یہ بات تمام طالبان علوم نبوت کو اپنے دل کی تختی پر ثبت کر دینا چاہیے۔

حضرت نے بڑے پر اثر انداز میں فرمایا: ”بچو! میں جینا چاہتا ہوں لیکن پڑھانے کے لیے نہیں؛ بلکہ پڑھنے کے لیے۔ وقت کا اتنا بڑا عالم، ہند کے بڑے بڑے دارالعلوم میں جس کی نظیر ملنا مشکل ہے ان کا اس طرح کہنا میرے لیے کسی بڑے دھچکے سے کم نہ تھا، اور اپنی نیت اور

ارادے کی لگام کو درست سمت پر لگانے کے لیے کافی تھا، یہ بات سن کر احساس ہوا کہ حضرت بہ ظاہر ہم کو پڑھا رہے تھے لیکن نیت سیکھنے اور پڑھنے کی تھی۔

عیادت کر کے لوٹے، یادیں سانسوں میں اور باتیں دلوں میں بسی ہوئی تھیں، حضرت کے شفایاب ہونے اور جلد مسند حدیث پر اپنے سامنے جلوہ افروز دیکھنے کی دعائیں جاری تھیں، محروم ہونے کی امید نہ تھی؛ اس لیے محروم کیے جانے سے حفاظت کی دعا کا اہتمام نہ تھا۔

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ خبر آ گئی کہ حضرت والا دار حقیقی کی طرف منتقل ہو گئے اور اپنے محبوب حقیقی سے وصال فرمالیا ہے، لیکن دماغ نے فوراً اس کا انکار کیا کہ: حضرت تو بھلے چنگے ہیں، بس! آیا ہی چاہتے ہیں، بس! ابھی آئیں گے اور ''باب ما جاء في السواك'' سے آگے سبق ہو گا، اللہ میرا مجھے ایسے محروم نہیں کرے گا، برسوں کے خواب ایسے چکنا چور نہیں ہوں گے، گویا ابھی تو حضرت کہہ رہے تھے: جینا چاہتا ہوں، آنا چاہتا ہوں تمہیں پڑھاؤں گا، جو چاشنی چٹائی ہے اس کی تشنگی مٹاؤں گا، بچو! تشنگی باقی رکھنا، ہمت رکھنا، علم حدیث کیا ہے؟ تمہیں بتانا ہے، احناف - کے دلائل کیوں کر مضبوط ہیں تمہیں سمجھانا ہے، ان کے دلائل میں وزن کتنا ہے تمہیں احساس کرانا ہے، سمندر پی کر ڈکار تک نہ لینے کا گُر تمہیں سکھانا ہے، دیکھنا بچو! ہمت نہ ہارنا ہرگز نہ ہارنا۔

دل و دماغ پر زور تر دید کر چکا تھا، لیکن بالآخر تقریباً چاشت کے وقت جامعہ کی مسجد سے اڑتی ہوئی خبر کی تصدیق کا اعلان ہو گیا، تمام ساتھی غم زدہ تھے، ویسے تو پورا مدرسہ نالہ کردہ تھا؛ لیکن ہم دورے والوں کا احساس یہ تھا کہ ''دوسرے تو محروم کر دیے گئے ہم سے تو چھین لیے گئے۔'' یوں معلوم ہو رہا تھا کہ سب کچھ لٹ گیا، میرے والد وفات پا چکے تھے، بڑے ابا (تایا) کی وفات کا غم دیکھ چکا تھا؛ لیکن جو غم حضرت کی وفات پر ہوا ابھی تک اس سے سابقہ نہ پڑا تھا غم ہی غم کا تسلسل تھا۔

حضرت والا کی نعش کو لایا گیا، حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے غسل دیا، کفنا کر رکھا تو دیدار ہوا، نہایت پر رونق چہرہ تھا، ایسی اطمینان کی کیفیت چہرے پر تھی گویا گہری نیند میں ہیں۔ اُس وقت ہم ساتھیوں کی متفقہ رائے تھی کہ حضرت والا کی کوئی نظیر مسند حدیث پر نہیں ہیں، نعم البدل کی امید بہ ظاہر مشکل ہے، ہم لٹ چکے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے صلاۃ جنازہ پڑھائی اور ایک ازدحام نے آپ کو ڈابھیل کی سرزمین میں سپرد خاک کر دیا، لوگ فارغ ہو کر لوٹ رہے تھے ہماری حالت یہ تھی کہ کچھ چھوٹ گیا ہے، لینے کے لیے واپس جانا ہے۔

وقت ایک کارگر مرہم ہے، وقت گذرتا گیا احساس و جذبات سرد پڑتے گئے۔ نہ تو حضرت سے زیادہ پڑھ پایا نہ ہی خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا، البتہ کچھ مدت جو شرف تلمذ ہوا اور آپ کی تدریسی تقاریر دیکھ کر انداز تدریس کے بارے میں یہ رائے قائم کر چکا ہوں کہ حضرت والا کی تقریر نہایت مرتب اور فصیح و بلیغ ہوتی تھی، افہام و تفہیم کا انداز سہل تھا، دلائل کی کثرت کے ساتھ دلائل کا باوزن ہونا بھی بتلاتے تھے۔

آپ کی درسی تقریر دل چسپ، جاذب طبیعت اور فصیح و بلیغ ہوتی تھی، سمندر کی طرح روانی سے بولتے ہی چلے جاتے تھے۔تشریح حدیث میں کئی اقوال نقل فرماتے، ہر دوسرا قول پہلے والے قول کے مقابلے میں زیادہ قوی اور موجہ معلوم ہوتا۔

طلباء آپ کے درسی تقریر کے ایک ایک لفظ لکھنے کی کوشش کرتے، ایک قدیم فاضل کا کہنا ہے کہ اگر ہم حضرت الاستاذ مولانا اکرام علی صاحبؒ کے پاس حدیث شریف نہ پڑھتے تو ہم سمجھ ہی نہ پاتے کہ علم حدیث کس عظیم الشان فن کا نام ہے۔

فرشتہ صفات بے نظیر انسان
حضرت مولانا واجد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
(میر تقی میر)

حضرت مولانا واجد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ "رئیس المحدثین، استاذ الاساتذہ" آپ کی قبر پر کتبہ ہے۔

راقم الحروف جب ۲۰۰۱ء میں جامعہ ڈابھیل میں بغرض تعلیم داخلہ لیا تو چند بزرگ اساتذۂ جامعہ کو دیکھا کرتا تھا؛ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوری، حضرت مولانا قاری احمد اللہ صاحب، حضرت مولانا واجد حسین صاحب دیوبندی، حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی، حضرت مولانا اسماعیل صاحب چاسوی۔ (اول اور آخر کو چھوڑ کر سب دار فنا سے کوچ کر چکے)

جوں جوں شوقِ حصولِ علم بڑھتا رہا ان حضرات کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے اور ان کے چشمۂ برکات سے فیض حاصل کرنے کا شوق تڑپانے لگا۔

بارہا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سایہ بصحت و عافیت دراز فرما اور مجھ غریب بندے کو ان سر چشمۂ فیوض و برکات سے محروم نہ فرما۔ بالآخر عربی پنجم مکمل ہوا اور چھٹیاں ہوگئیں، یہ تعطیل اسی شوق میں گزر گئیں کہ آئندہ سال شیخ التفسیر حضرت مولانا واجد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوگی اور حضرت استاذ الاساتذہ کے درس کا تصور کرتا، ایک عاشق اپنے معشوق سے جس طرح تصوراتی لذت لیتا ہے اسی طرح درس کا، آپ کے مجسم نور سراپے کا ذہن میں سماں باندھتا اور درس کی ایک چاشنی چشید کرتا۔

مدرسہ شروع ہوا، اسباق تقسیم ہوئے حضرت استاذ الاساتذہ کے ذمہ میں جلالین جلد ثانی آئی، الفوز الکبیر آپ کے ذمہ سے اتار دی گئی جس کا ہمیں قلق ہوا۔ بالآخر ہماری درس گاہ کی خوش مزاج، ہر دل عزیز، چنچل شخصیت "عمران اسلامپوری" جن کو پیار سے احباب "پیرو" کہا کرتے تھے اور حضرت کے خادم مقرر ہوئے تھے، تیسرے گھنٹے میں حضرت استاذ الاساتذہ کی جلالین شریف

لیے ہوئے درس گاہ میں آئے ، اس کے کچھ دیر بعد حضرت مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے، یاد ہے کہ دل نے کہا کہ اب حضرت کا چہرہ انور روزانہ دیکھنے کی توفیق ہوگی۔کیا خوش نصیبی!

حضرت استاذ الاساتذہ کا رخِ زیبا پرنور تھا، روشن صاف ستھرا گورا چٹا رنگ، پیشانی کشادہ، رخسار ہموار، آنکھیں میانہ، ناک زیادہ بلند نہیں تھی، چہرے پر ایک نور تھا جو چہرے کو منور کیے رہتا۔

داڑھی جبڑا بھر کے لیکن کم گھنی ،چھیدی بھی نہیں تھی، بھنویں سفید دراز ، پلکیں خم دار، سر کے بال سفید گنجان زلفیں دار، قدمیانہ سے قدرے کم ، چال چوہتر سال پر بھی ہموار، رفتار قدرے تیز، قدم اٹھا کر زمین پر نرمی سے رکھتے ، درس گاہ میں ہلکا سلام کر کے برابر چلتے ہوئے مسند پر چار زانو ہلکا ٹیک لے کر بیٹھ جاتے، پورا گھنٹہ اسی ہیئت پر درس دیتے، کتاب کے دونوں جانب دونوں ہاتھ سے پکڑتے گاہے بگاہے کتاب کا نچلا حصہ دبا کر اگلا حصہ بلند کر کے پڑھاتے عموما کتاب میں اور سامنے دیکھ کر پڑھاتے۔

آئی جو اُن کی یاد تو آتی چلی گئی ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

جلالین شریف کا سبق پہلے دن جس طرح شروع فرماتے اسی رفتار اور طرز پر آخری سبق بھی ہوتا۔ضروت پڑنے پر مغرب یا عشاء بعد بھی جلالین شریف پڑھاتے، آپ کی رنگت اور کردار کی طرح درس بھی بالکل چشو و زوائد اور فضول باتوں سے صاف شفاف ہوتا، زبان بھی واضح،اردو میں مغربی یوپی کے علمی گھرانے کی نستعلیقیت تھی۔(آپ کا آبائی وطن شیر کوٹ ضلع بجنور تھا آپ کے دادا نے کسی غرض سے دیوبند کی بود وباش اختیار کی تھی)

ہمارے زمانہ میں آپ شیخ الحدیث کے بجائے شیخ التفسیر سے طلباء میں معروف تھے، آپ کا درس جلالین مشہور ، درسِ سورۂ نور مشہور تر اور درسِ واقعۂ افک مشہور ترین تھا، طلباء سورۂ نور کے منتظر رہتے جب سورۂ نور شروع ہوتی تو کاپی قلم لے کر تیار رہتے ، واقعۂ افک شروع ہوتا تو طلباء کاپی قلم چھوڑ حضرت استاذ الاساتذہ کی تقریر، واقعہ افک بیان کرنے کا انوکھا جذباتی انداز، آپ کے چہرے کے نقش و نگار، ڈبڈباتی آنکھیں اور کھنکھناتی آواز کی طرف ہمہ تن گوش ہوجاتے، ہر سال واقعۂ افک یوں بیان کرتے کہ ابھی کل کا تازہ واقعہ اور حادثۂ فاجعہ ہو خود بھی روتے اور بہت سے سننے والوں کو بھی اشک بار کرتے.

مکارم اخلاق: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کیسے تھے؟

تو آپ کی ہم راز وفا شعار پاک بیوی نے جواب دیا تھا کہ ’’کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا، کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ. (آپ کے اخلاق وہی ہیں جو قرآن ہے) اسی خلق عظیم سے حضرت استاذ الاساتذہ کو وافر حصہ ملا تھا۔

حضرت مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہمارے دورۂ حدیث کے سال بقرعید بعد ہوئی تھی، جب جلسۂ تعزیت منعقد ہوا اس وقت حضرت استاذ الاساتذہ مولانا واجد حسین صاحبؒ نے ایک بات کہی تھی ’’مرحوم سے ہمارا ۲۳؍سالہ ساتھ رہا لیکن کبھی تو تو میں میں، آپسی چپقلش کی نوبت نہیں آئی۔‘‘ یہ بات ہمارے استاذ الاساتذہ کے اخلاقِ کریمانہ کی بھی غمازی کرتی ہے کہ ۲۳؍سال ایک ہی مدرسہ میں اور بالکل ہم پلہ استاذ تھے لیکن کبھی تعلقات خراب نہیں ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا ایک بے ضرر انسان تھے، نہیں سنا کہ آپ نے کسی استاذ سے دشمنی نکالی ہو یا کسی خادم کو کوسا ہو، آپ نے درس گاہ میں نہ کسی طالب علم کو ڈانٹا نہ تیز آواز میں گفتگو ہی کی، چہ جائیکہ کسی پر ہاتھ اُٹھایا ہو، آپ کے خادموں سے سنا کہ آپ کمرہ میں بھی نہ کسی خادم سے خفا ہوتے ہیں اور نہ منہ بگاڑ کر بات کرتے، یہی حال آپ کا اپنے اہل خانہ کے ساتھ تھا۔

آپ شرم وحیا کے پیکر تھے کہ اگر کوئی بات ناگوار خاطر گزرتی تو ٹوکنے کے بجائے برداشت کرتے حتی کہ صریح حکم کرنے سے بھی احتراز فرماتے، بلکہ یوں گویا ہوتے ’’ایسا کرلیا جائے‘‘، حضرت مولانا رشید احمد صاحب سلوڑی قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عصر بعد ہوا خوری اور چہل قدمی کے لیے تشریف لے جاتے ایک مرتبہ نہر تک پہنچ گئے، آپ کو مزید آگے جانا تھا مگر حضرت مولانا سلوڑی صاحب (جو ذرا بھاری بدن کے تھے) انھیں صراحتا نہیں کہا کہ ذرا اور چلتے ہیں، بلکہ فرمایا: ’’آج موسم بڑا خوش گوار ہے‘‘ عقلمند شخص سمجھ جائے گا کہ آپ کو ابھی اور چلنا ہے، لیکن آپ مارے شرم کے صریح حکم نہ فرماتے۔

دوسری تمام خصلتوں کی طرح آپ تواضع، خاطر داری اور مہمان نوازی میں بھی بے مثال تھے۔ ۲۰۰۳ء میں ہم آٹھ ساتھی یوپی کے مدرسوں، بزرگوں کی تکیہ گاہوں اور آرام گاہوں کی زیارت کے لیے نکلے، ہمارے ساتھ چوں کہ مولوی صدیق کولہاپوری اور مولوی عبد اللہ کولہاپوری بھی تھے جو آپ کے خادم تھے، ان کی وساطت سے حضرت استاذ الاساتذہ ہی کے

مکان پر آٹھ دس دن مہمان رہے، آٹھ نوجوان آداب مہمانی سے قدرے نا آشنا طلباء کا اس طرح آدھمکنا کوئی معمولی بات نہیں، بالخصوص ممبئی جیسے شہر میں تو اس کا تصور بھی دشوار ہے، حضرت استاذ الاساتذہ نے ہمیں دومنزلہ (بالاخانہ) میں ٹھہرایا، اور گوشت اور گیہوں کی چپاتیوں سے خوب ضیافت کی، کھانوں کی ٹرے اور برتن اپنے لڑکوں کے ساتھ خود نیچے سے اوپر لاتے اور کھانے پر اصرار کر کر کے کھلاتے، ہم دیکھ کر حیران رہتے کہ ستر سالہ ضعیف العمر ہم بے گانوں کی کس طرح خدمت کر رہا ہے۔ (دو تین کے علاوہ اس وقت کوئی بھی باقاعدہ آپ کا شاگرد نہیں تھا)۔

شاگرد ہیں ہم میرؔ سے استاد کے راسخؔ استادوں کا استاد ہے استاد ہمارا

ایک مرتبہ ہم تھانہ بھون، گنگوہ، جلال آباد، نانوتہ وغیرہ زیارت کر کے آرہے تھے، ہم لاابالی طلباء ٹہلتے ٹہلتے رات دیر گھر پہنچے، تو معلوم ہوا آپ کے تمام اہلِ خانہ کسی دعوت میں جاچکے ہیں، آپ تنہا گھر میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں، جب ہم گھر آئے تو نہ چیں بجبیں ہوئے، نہ خفگی کا اظہار فرمایا نہ اصلاح کی آڑ لے کر کوئی نصیحت آمیز وعظ فرمایا بلکہ ہمارے ساتھ دستر خوان لگا کر گرما گرم کھانا رکھوایا اور ہمیں کھانا کھلا کر پھر خود دعوت میں تشریف لے گئے، اچھی طرح یاد ہے اس وقت حضرت کے اہل خانہ نے بکرے کا قورمہ بنایا تھا، اپنی دعوت کے موقعہ پر اگر عورتوں کو کھانا بنانا پڑ جائے تو ہم اپنی عورتوں کے گریبان میں جھانک لیں، کہ کیا نظر آتا ہے؛ کوسنا، چڑچڑانا، منہ بنانا، ہاتھ پیر پٹخنا۔

ہم نے اس مہمانی کے درمیان یہ بھی دیکھا کہ حضرت استاذ الاساتذہ بازار کا سودا سلف خود خرید کر گھر لاتے؛ ٹماٹر، ہرا دھنیا، آلو، پیاز جھلکتی تھیلی میں بڑھے چلے جاتے، ہم نے ڈابھیل کے شیخ التفسیر اور اپنے مخدوم کو اس طرح گھر والوں کی خدمت کرتے دیکھا ہے۔

آپ نہایت خاموش مزاج، طویل السکوت تھے، جب تک کوئی خود سے نہ بولتا آپ جواب نہ دیتے، بہت کم ابتداء بالکلام کرنے والے تھے، جلسہ جلوس، وعظ تقریر آپ کا میدان نہیں تھا، لوگوں سے بھی بہت کم اختلاط فرماتے، آپ خالص تدریسی مزاج رکھتے، (کبھی دعا کرانے کا موقع آتا تو سراً دعا فرماتے) لیکن دنیاداری اور سماجی رشتوں سے آپ بے گانہ نہیں تھے، اس کا اندازہ ان پند و نصائح سے ہوتا ہے جو آپ نے اپنی بڑی بیٹی کو ان کی شادی کے موقع پر فرمائی تھیں، قارئین کے افادے کے لیے کتاب ”بے مثال شخصیت با کمال استاذ“ سے چند نصیحتیں نقل کرتا ہوں؛

’’غزالہ شاید تم یہ جانتی ہوں گی اور تم نے اپنی سہیلیوں سے سنا ہوگا کہ میکہ اور سسرال میں بڑا فرق ہے، میکے کی رنگینیاں اور دلچسپیاں سسرال میں اس بہتات سے میسر نہیں آتیں جس بہتات سے میکے میں قدم قدم پر حاصل رہتی ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے جس کو سن کر یقیناً تم کو تعجب ہوگا کہ میکے سے رخصت ہو کر ہر لڑکی کے لیے میکے کے در و دیوار غیر ہو جاتے ہیں۔ وہاں کی ہوائیں اپنی تازگی وہاں کا پانی اپنی لطافت اور شیرینی سے منہ موڑ لیتا ہے اور وہاں کا گلشن اپنی عطر بیزیوں سے منہ موڑ لیتا ہے، وہاں کے آفتاب و مہتاب اور ستاروں کی چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے، میکے سے رخصت ہو کر سوچنے کا ڈھنگ بدل جاتا ہے، ہر لڑکی کو اپنے گھر کی خوش حالی اور ترقی پیش نظر رہتی ہے۔‘‘

غزالہ تم رو رہی ہو لیکن میں تمہارے اس رونے میں تمہارے خیالات و احساسات کی جھلک محسوس کر رہا ہوں، تم یہ خیال کر رہی ہو کہ والدین کتنے بے رحم ہوتے ہیں کہ وہ اپنی گود کی بہار کو جسے دل و جگر کے خون سے پروان چڑھایا ہو جسے پارۂ دل، لختِ جگر کہتے ہوں جسے آنکھوں کا نور، کلیجہ کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہوں جسے گھر کی چہل پہل سمجھتے ہوں کیوں اپنے گھر سے جدا کر دیتے ہیں کیا یہ سرد مہری نہیں؟ خاندان کے وہ بزرگ جو کبھی سر پر ہاتھ پھیر کر میری بیٹی میرا پارۂ دل کہتے ہیں وقت آنے پر کیسے بے نیاز ہو جاتے ہیں؟ غزالہ پیاری میں تم کو بتلاتا ہوں یہ سرد مہری اور بے نیازی نہیں بل کہ اپنے فرائض سے سبک دوشی ہے، ماں باپ آج کے دن کو اپنے لیے باعث راحت باعث مسرت محسوس کرتے ہیں اور اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آج ان کی بیٹی عزت و آبرو کے ساتھ اپنے گھر کی ملکہ نئے خاندان کا فرد نئے چمن کی باغباں بن گئی۔ اب تم کو اس نئے چمن کی رکھوالی کرنی ہے اس نئے چمن کی بادِ خزاں کے جھونکوں سے حفاظت کرنی ہے تا کہ اس نئے چمن میں لالہ و گل پیدا ہوں، غرض اس نئے چمن کو اپنی بے مثال تگ و دو سے رشکِ ارم بنانا ہے، مجھے تمہاری بلند ہمتی، مستقل مزاجی اور طبعی صلاحیت سے پوری امید ہے کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرو گی اور ہرگز خدمت سے منہ نہ موڑو گی اور نہ کبھی تمہاری استقامت میں فرق آئے گا۔

غزالہ تم میکے سے رخصت ہو کر جن لوگوں میں جا رہی ہو وہ کوئی غیر نہیں ہیں بل کہ دیکھے بھالے بڑے شریف لوگ ہیں مگر اتنی بات ضرور ہے کہ تم ان لوگوں کے مزاج سے واقف نہیں

ہو، ان کے خیالات سے آشنا نہیں ہو، شاید تم ان کے ہر طریقے کو غیر، ہر قدم کو بیگانہ خیال کرو لیکن میں تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ ان کے طور طریق پر نظر رکھنا تمہارا شیوہ نہیں بل کہ تمہاری جانب سے ہر ہر قدم پر قدر شناسی اور جاں نثاری کا مظاہرہ ہونا چاہیے تمہاری حیثیت اس شمع کی طرح ہونی چاہیے۔ جو اپنے جلانے والے کے گھر کو روشنی سے ہم کنار کرتی ہے، اس پھول کی طرح ہونی چاہیے جو باغ سے جدا ہو کر گل چیں کے دماغ کو معطر کرتا ہے اس مہتاب کی طرح ہونی چاہیے جو تاریک رات میں مسافروں کے لیے روشنی فراہم کرتا ہے۔

تمہاری نظر پاک تمہارا ضمیر شگفتہ تمہارا سینہ محبت سے ایسا معمور ہونا چاہیے جو کسی قسم کی بے اعتنائی سے اپنی روش نہ چھوڑ سکے۔ دوسرے لفظوں میں تمہارا دل ایسا ٹھوس شیشہ ہو جو ذرا ذرا سے صدموں سے ٹوٹ نہ سکے۔

پیاری غزالہ! یہاں سے رخصت ہو کر تمہارا مقصدِ زندگی دوسروں کو اپنانا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ دوسروں کو اپنانا اپنوں کے مقابلہ میں بہت آسان ہے، وہ تھوڑی سی توجہ معمولی سے خدمت، بے لوث محبت سے اپنائے جاسکتے ہیں، تمہیں ان لوگوں کے دلوں میں محبت والفت کا بیج بونا ہے اور اس کو خدمت و جانثاری کے پانی سے پروان چڑھانا ہے، پھر دیکھو گی کہ ان سدا بہار پودوں سے محبت والفت کے کیسے خوش نما پھول تم پر برستے ہیں۔

بیٹی تم جانتی ہوں گی کہ لڑکی سسرال میں صورت سے نہیں خدمت سے عزیز ہوتی ہے، تم بھی ایک لڑکی ہو تمہارا شیوہ بھی خدمت ہونا چاہیے، اگر تم نے خدمت سے شوہر کا دل، ساس نندوں کے قلوب کو جیت لیا تو والدین کی خواہش اور بھائی بہن اور پورے خاندان کی آرزو کو پورا کر دیا اور یقینا خدا کی رضا کو بھی پالیا۔

بیٹی غزالہ! کیا میں اور تمہاری والدہ، بھائی بہن، عزیز و اقارب تم سے یہ امید کریں کہ تم ذرا سی محنت سے زمانے کی محبت خرید لو گی، مجھے یقین ہے کہ تم میکے کو بھول کر سسرال کو یاد رکھو گی۔ سسرال میں رہ کر میکے کا خیال بھی دل میں لانا معیوب سمجھو گی سسرال کی زندگی حاصل ہوتے ہی تمہاری ذات اس ابر کی طرح ہو گی جو ایک مقام سے اٹھ کر دوسرے مقام پر برستا ہے، اس پھول کی طرح ہو گی جو باغ سے جدا ہو کر لوگوں کے گلے کا ہار بنتا ہے، اس لعل کی طرح ہو گی جو اپنے معدن سے نکل کر شاہوں کے تاج کی زینت بنتا ہے۔ تمہاری ابتدائی زندگی میکہ ضرور

تھی لیکن انتہائی زندگی میکہ نہیں سسرال ہے۔ سمجھو کہ تم ایک امانت کی طرح والدین کے سایہ عاطفت میں پرورش پارہی تھیں، اب اس امانت کا حق دار آ گیا، وہ اپنی امانت واپس لے جارہا ہے۔ والدین جاننا چاہتے ہیں کہ تم ان کی تربیت اور تعلیم سے کس قدر شائستہ اور سعادت مند ہوئیں، انھیں امید ہے کہ تم ان کی تربیت کی لاج رکھو گی اور سعادت مندی کی وہ روشن مثال قائم کرو گی جس پر تمہاری دوسری بہنیں فخریہ عمل پیرا ہوں۔

جان پدر! تمہارے والدین اپنے فرائض سے سبک دوش ہو گئے، وہ تمہارے ساتھ جو سلوک کر سکتے تھے کر چکے اور کچھ کرتے رہیں گے، انھوں نے اپنا فرض ادا کر دیا اب تم کچھ لمحوں کے بعد یہاں سے اس گھر سے رخصت ہونے والی ہو، میرے دل میں آیا کہ میں تم کو مادی چیزوں کے ساتھ ایسی چیز بھی دوں جو قدم قدم پر تمہارے کام آئے، لہٰذا نصیحت کے چند پھولوں کو چن کر ایک گل دستے کی شکل دی اور لے کر تمہارے پاس آ گیا، ان شاء اللہ نصیحت کے ایسے پھول ہیں جو سدا بہار رہیں گے۔ تم ان کو اپنی زندگی میں ایسے داخل کر لو کہ یہ زندگی کا اٹوٹ حصہ بن جائیں۔ ان شاء اللہ ان پھولوں کی مہک سے تمہارا دل و دماغ معطر رہے گا۔ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں اور اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری زندگی کو روشن اور تاب ناک بنائے والدین اور سب بہن بھائیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے، آمین ثم آمین۔

تمہارا ابو

حضرت استاذ الاساتذہ سے ہم نے جلالین شریف، مسلم شریف اور بقرعید کے بعد بخاری شریف پڑھی ہے۔ بخاری شریف آپ پہلے بھی پڑھا چکے ہیں عمر کے چوہترویں سال دوبارہ بخاری شریف پڑھانے کی سعادت ملی، کتاب الایمان اور کتاب النکاح قدرے تفصیل سے پڑھاتے۔

ختم بخاری کے موقع پر ہر مرتبہ کی طرح ہماری درسگاہ والے آپ کو بھی لینے گئے جس طرح اس سے پہلے طلبا ختم بخاری کے موقع پر شیخ الحدیثؒ کو لینے جاتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنی تواضع اور فطری حیا کی وجہ سے طلباء کے جھرمٹ میں جانے سے منع فرمادیا، پھر ہمیشہ کی طرح حسب عادت تشریف لائے اور ہمیشہ کی طرح تشریف لے گئے، اور اب وہ ہمارے درمیان ہمیشہ کے لیے تشریف فرما نہیں ہیں، بلکہ مزار قاسمی میں حضرت مولانا قاری طیب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قبر اوپر ذرا بائیں جانب آرام فرما ہیں۔ ان کی قبر پر حاضری ہوئی تو مناسب معلوم ہوا

کچھ یادیں تازہ کرلی جائیں۔

میں آج مر کے بھی بزم وفا میں زندہ ہوں تلاش کر میری محفل، مرا مزار نہ پوچھ

اللہ تعالیٰ حضرت استاذ الاساتذہ کی قبر کو نور سے منور فرمائے، اپنے یہاں اعلی مقام عطا فرمائے، احادیثِ مبارکہ سے اشتغال اور مزاولت رکھنے والوں کے لیے جو فضیلت وارد ہوئی ہیں وہ تمام عطا فرمائے، ہم روحانی اولاد کو ان جیسا بننے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین

ملنے کے نہیں ”کم یاب“ ہیں ہم ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں

اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم جو یاد نہ آئے بھول کے پھر

بے نفس مہربان استاذ
حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ

ریاض الصالحین اور ہدیہ سعیدیہ حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھی۔ بہت با کمال شخصیت کے مالک تھے، مناسب سمجھتا ہوں ان کا کچھ ذکر کروں۔

حلیہ مبارک: متوازن ومتوسط فربہی جسم، دراز قد و قامت، سر پر دو پلی ٹوپی اور چہرے پر چیچک کے داغ لیکن پر کشش نورانی چہرہ اور ہشاش بشاش مکھڑا، کھڑی ناک، پیشانی کسی قدر چوڑی، سفید گھنی دراز ریش، چہرے اور چال ڈھال، طور طریق، گفتگو کا انداز ہر ایک میں سادگی نمایاں۔

کہتے ہیں کہ آپ کو بچپن ہی سے عبادت کا شوق اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا تھا، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کی وجہ سے اس میں جلا پیدا ہو گیا، آپ زمانہ طالب علمی ہی میں سالانہ تعطیلات کے موقع پر تبلیغی جماعت سے لوٹ کر رمضان کے آخری عشرے کے اعتکاف کے لیے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوتے اور وہیں رہ کر ذکر و اذکار اور عبادت و ریاضت میں وقت گزارتے۔

آپ کی سب سے امتیازی خصوصیت صف اول کی پابندی تھی جس کا راقم نے ۸/ سال مشاہدہ کیا، عمر بھر آپ کا یہ معمول تھا چاہے گرمی کا موسم ہو یا موسم سرما، یا بارش نے لوگوں کو گھر میں محبوس کر دیا ہو، اور چاہے مجمع کسی تقریب کی وجہ سے کثیر ہو، آپ صف اول میں بالکل امام کے پیچھے نماز ادا فرماتے۔ آپ عموماً اذان کے وقت مسجد پہنچ جاتے اگر کسی دن مسجد پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تو آپ کے انتظار میں طلباء کی ٹکٹکی بندھ جاتی۔

ان کے انتقال سے تقریباً ۲۰/ دن پہلے میں ڈابھیل گیا تھا، ان کے گھر جا کر ان سے ملاقات کی، دروازے سے اپنے مخصوص انداز میں کہا آؤ صوفی صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ بٹھایا اور الطاف و عنایات کے ساتھ البیلے طرز تکلم میں تقریباً ایک گھنٹہ باتیں کیں، بعد میں دل کو بڑا اطمینان ہوا کہ انتقال سے پہلے حضرت الاستاذ سے اچھی ملاقات ہو گئی گھر میں تنہا تھے، اس وجہ سے کہ ان کے تمام فرزند کسی نہ کسی علاقہ کے مدرسہ میں خدمت انجام دینے پر مامور ہیں۔

حضرت الاستاذ ، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث
مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۲۴ھ شعبان کا مہینہ تھا، عربی اول مکمل کر کے کم سنی کی عمر میں اپنے بزرگ ساتھیوں کے ساتھ دیوبند کی ایک مسجد میں ”حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ“ کے روبرو کھڑے ہو کر نصیحت سن رہا تھا اور آپ کے اندازِ گفتگو سے بہرور ہو رہا تھا۔ دوران گفتگو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرا گریبان پکڑ کر زور دیتے ہوئے کہا: ”دار العلوم دیوبند میں پڑھو، دیوبند میں، نسبت تو یہاں سے ملتی ہے۔“ میں آپ کے زور دینے کی وجہ سے یمیناً و شمالاً بری طرح ڈانوا ڈول ہو گیا۔ نسبت کا معنی تو میرے ذہن نارسا میں سما نہ سکا، البتہ اس تمنا نے دل میں گھر کر لیا کہ دار العلوم دیوبند میں آ کر تعلیم حاصل کرنا ہے اور یہ بزرگ جو نسبت کا ذکر فرما رہے ہیں اس کو حاصل کرنا ہے۔

ڈابھیل کی دورۂ حدیث بھی چمکتے دمکتے ستاروں سے خالی نہیں تھی، دار العلوم اور مظاہر العلوم کے خوشہ چیں یہاں جلوہ افروز تھے، نسبت عالی کے ساتھ سند عالی بھی یہاں میسر تھی، اس لیے دل نے عقل کا بھرپور ساتھ دیا اور دورۂ حدیث کے بعد دار العلوم دیوبند جانے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت دورۂ حدیث ان سیاروں سے جگمگا رہی تھی؛ حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم، حضرت شیخ الحدیث مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا واجد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اسماعیل صاحب چاسوی دامت برکاتہم، حضرت مولانا مفتی عباس صاحب بسم اللہ دامت برکاتہم، حضرت مولانا الیاس صاحب دیسائی لوہاروی دامت برکاتہم۔

ایک عرصہ بعد سالِ آخر نے بھی ایک خوش نما موڑ بن کر شاہراہِ زندگی پر دستک دے دی، سارا دن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزرنے لگا۔ عہد کیا تھا کہ کوئی حدیث باوضو سماعت سے چھوڑوں گا نہیں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کی یاوری فرمائی، سماعت سے تو کوئی حدیث نہ رہی البتہ چند حدیثیں باوضو سننے سے رہ گئیں۔

سالِ آخر قریب بختم تھا، میں متردد تھا کہ دورے کے اعادہ کے لیے اور حصول نسبت کے لیے دیوبند جاؤں یا حضرت مدظلہٗ کے پاس افتاء میں زانوئے تلمذ طے کروں، حضرت

مولانا رشید احمد صاحب سلوڑی رحمۃ اللہ علیہ سے استشار استشارہ کیا انھوں نے استخارہ کا حکم دیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ جامعہ ڈابھیل کی مسجد اور مطبخ کے درمیانی راستے پر چل رہا ہوں اور کاشانۂ انور کی سمت سے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے ساتھ موجود تمام لوگوں سے ملاقات کی لیکن میری ملاقات نہ ہوسکی، البتہ میں اور حضرت پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ مطبخ کی جانب سے دار الاقامہ میں چلے گئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ آگے آگے میں پیچھے پیچھے۔

سلوڑی رحمۃ اللہ علیہ سے اس خواب کا تذکرہ کیا اور عدم مصافحہ کی بابت بے چینی گوش گزار کرائی تو آپ نے فرمایا: ''دار العلوم دیوبند جانے کا ارادہ ملتوی مت کرو۔''

امتحان مکمل ہوا تو شعبان میں دیوبند کا رخ کیا کہ تعطیلات میں احاطہ مولسری میں بیٹھ کر امتحان کی تیاری کریں گے، لیکن ابتداء کے جاں گسل ایام نے تیاری کرنے کا موقع نہ دیا اور رمضان میں گھر ہی پر آ کر پناہ لی۔ رمضان بعد سہارنپور ہوتے ہوئے دیوبند کے لیے نکل پڑا۔ نہ ٹکٹ کنفرم ہے نہ سردیوں سے بچنے کا سامان ہی پاس ہے۔ رفیق درس سہیل جس ٹرین سے اے سی کے راکب تھے اسی ٹرین میں، میں جنرل ڈبے میں سوار تھا۔ دونوں اپنے اپنے کوچ سے رات بارہ بجے کے قریب سہارن پور اتر کر مدرسہ مظاہر العلوم کے عالیشان مہمان خانہ میں رات گزارنے چلے گئے۔ علی الصباح حضرت شیخ طلحہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ گئے۔ ناشتے کے بعد مصافحہ اور ملاقات ہوئی، بندے نے عرض کیا ممبئ سے آیا ہوں، دیوبند بغرض تعلیم جانے کا ارادہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''دیوبند میں دیوبندیت ہے اور یہاں تعلیم بھی ہے خانقاہ بھی ہے، یہاں پڑھو۔''

بندے کا مقصد تو نسبت دیوبندیت ہی کا حصول تھا، اس کے پائے اضمحلال بتوفیق الٰہی مستقیم رہے۔ ببرکتِ رفیق محترم سہیل کار سے بائے روڈ دیوبند پہنچے۔ فارم بھر کر داخلۂ امتحان دے کر دونوں ممبئ لوٹ آئے، دوبارہ گھر لوٹنے کی وجہ سے گھر میں ایک اداسی کا ماحول تھا، اور میرے تعلق گمان کیا جاچکا تھا کہ دار العلوم کی تعلیم اس کی ہمت سے پرے ہے۔

چند دنوں بعد ساتھیوں نے بذریعہ فون مژدۂ بشارت سنایا کہ آپ دونوں کا داخلہ ہوگیا ہے، امی کے آنکھوں میں فخریہ چمک اور ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ اور پلکوں میں خوشیوں کی تری

تھی ۔ بڑے بھائی جان مارے خوشی کے، نیا بیگ لے آئے، باجی نے بھی اپنے ذاتی پیسوں سے کچھ زائد رقم کا انتظام کر دیا تھا۔ٹکٹ لے کر جنرل ڈبے میں سوار ہوا۔علی الصباح دیوبند پہنچ کر قراءت کا امتحان دیا ، داخلے کی کاروائی مکمل کر کے کھانے کا ٹکٹ اور کمرہ نمبر حاصل کیا۔ دار جدید- جو اب قدیم بلکہ قدیم تر ہی نہیں قدامت کی علامت ہوگئی تھی - کا اندرونی کمرہ حصہ میں آیا ، جہاں نہ تازہ ہوا تھی نہ سورج اپنی روشنی سے یہاں داخل ہوسکتا تھا۔

باہم دوستوں نے فیصلہ کیا کہ باہر اجرت پر رہا جائے، سفید مسجد کے سامنے زم زم بک ڈپو کے مطبع کا فوقانی حصہ خالی تھا اور صاحب زمزم بک ڈپو سے ،حضرت مولانا واجد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے تعلقات تھے وہاں بود و باش اختیار کر لی۔

مدرس بے مثال: مدرسہ باقاعدہ شروع ہو چکا تھا، ہم دار الحدیث تحتانی کے بیچو بیچ جگہ حاصل کر کے انتظار میں تھے۔۔۔ کس کے۔۔۔؟

دماغ اپنا کام کر رہا تھا خیالات کی ایک ریل تھی جو چلتی جارہی تھی ، دل دماغ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا وہ دماغی ریل کا ساتھ دینے کے بجائے خوشی سے پھولے نہ سمارہا تھا۔ دل و دماغ اتنی باتوں میں تو متفق تھے کہ: سنتے تھے دار العلوم میں داخلہ نصیبے کا کھیل ہے۔ برسوں سے یہاں کی درسگاہ کی گرد چھاننے کی تمنا تھی۔ کئی راتیں اسی آرزو میں لذت کوشی کرتے کرتے نیند کو دعوت دی ہے۔ کئی بزرگوں کی انفاس قدسیہ، بابرکت کلام یہاں گردش کر رہے ہیں ان سے آج غیر محسوس طریقہ پر ملاقی ہوں۔ ارے یہ مجھے جو کتاب مدرسہ سے عاریتا دی گئی ہے کہیں ہمارے اساتذہ ان ہی کتابوں میں شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تو پڑھ کر نہیں گئے ، یہ تپائی بھی تو کافی قدیم ہے اس پر تعلیم حاصل کر کے بہت سوں کو احسان و انسانیت کا رشد و ہدایت کا، اخلاص و للّٰہیت کا، توکل و فنائیت کا، خوف خشیت کا، دعوت و اشاعت کا، تقوی و حفاظت کا درس ملا ہوگا اور وہ ان سب کے روشن مثال بنیں ہوں گے۔

یہ در و دیوار یہ تپائی و چٹائی ، یہ مسند و صاحب مسند یہ مائک اور مائک کے حق دار دہائیوں سے داد و تحسین کے سزاوار چلے آرہے ہیں ، خدمت دین اور حفاظت و اشاعت کے علم بردار یہیں سے خوشہ چینی کر کر کے چہار دانگ عالم ،مشرق ومغرب نور علم فشانی کر رہے ہیں ۔آج قدرت نے یہ موقع مجھ ناچیز کی جھولی میں ڈالا تھا ، میں خوش تھا ، مالک دوجہاں کا شکر گزار تھا۔

یہاں ترجمان صاحب بھوپال کے تھے وہ حضرت شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس گاہ میں آنے کی اطلاع دے چکے تھے۔ یکا یک درسگاہ طالبان علوم نبوت سے پٹ گئی، تنگ دامانی کی شاکی نظر آنے لگی، مستفیدین بالکنیوں تک پہنچ گئے۔ درسگاہ میں ایک سناٹا طاری ہوگیا گویا ہو کا عالم ہو۔ یکا یک دراز قد، سپید سانولا سا رنگ، مخضب ریش، رعب و داب شخصیت، عینک لگائے، عمامہ باندھے خراماں خراماں چلتے ہوئے داہنے دروازے سے مسند کی طرف بڑھے اور باوقار طریقہ پر چہار زانو مسند نشیں ہوئے۔

جس وقت ہم دورۂ حدیث میں تھے، ہمارے بہت محبوب استاذ جن سے استفادہ کی کافی امید تھی، شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دنیائے ناپائیدار سے منہ موڑ کر دار البقاء کا حصہ بن گئے، ہم طلباء بہت کوفت میں تھے اور احساس محرومی کا شکار تھے۔ اس وقت کسی نے نعم البدل کے طور پر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا تھا، جو تشنگی ڈابھیل کے دورے میں باقی رہ گئی تھے وہ اب فنا کے گھاٹ اتار کر سیرابی کا وقت آ گیا تھا۔ حضرت ہمارے سامنے تھے اور سلام کر کے ہم کلام ہوا ہی چاہتے تھے۔۔۔

انداز تدریس: ہماری خوش قسمتی اور احسان خداوندی کہ آپ سے بخاری شریف جلد اول اور ترمذی شریف جلد اول ہر دو کتاب کے پڑھنے کا موقع ملا۔

آپ کے تقریر میں سمندر جیسی گہراہی ہوتی، بہتی نہر سی روانی ہوتی، یقینی براہین و ٹھوس دلائل سے آراستہ پیراستہ ہوتی، کسی بحث کو تشنہ نہ رہنے دیتے، جس طرح رفتار سے کتاب کی ابتداء کرتے تقریبا اختتام تک یہی رفتار باقی رہتی، مکمل کتاب درایتاً پڑھانے کا معمول تھا۔

یوں محسوس ہوتا کہ پڑھانا آپ پر سہل کر دیا گیا ہے اور کتاب آپ کے ہاتھ میں موم ہے۔ مشکل سے مشکل بحث یوں آسانی سے سمجھا دیتے کہ نہ سمجھنے میں دشواری ہوتی نہ دماغ پر بوجھ محسوس ہوتا۔

ترمذی شریف کئی برس سے زیر تدریس تھی، بخاری شریف تو ابھی خدمت سے وابستہ کی گئی تھی، لیکن حدیث فہمی کے علاوہ تراجم بخاری، تطبیق بالباب، ترتیب بین الابواب اور فقہ البخاری اس خوبی سے سمجھاتے کی طبیعت عش عش کر اٹھتی۔

قدر سے متعلق اتنا عمدہ جامع مگر مختصر انوکھا البیلا بیان فرمایا کہ برسوں کے خلجان رفع دفع

ہو گئے۔

ایک اہم بات یاد آرہی ہے: آپ نے فرمایا: تقدیر کی دو جہت ہیں ایک معرفت خودی کی ایک معرفت خداوندی کی۔معرفت خداوندی کی جہت یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالی نے ازل ہی سے تمام چیزوں کی پلاننگ کرلی ہے ، جس میں کسی طرح کے تخلف کا امکان نہیں ہے۔ یہ عقیدہ کی جہت ہے۔

معرفت خودی یہ ہے کہ انسان یہ جانے کہ میں بندہ ہوں، میرا کام اللہ کی عبادت و اطاعت کرنا ہے۔ لہٰذا جو اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اس کے مطابق عمل کرتا رہے۔ یہ عمل کی جہت ہے۔

عقیدہ یہ رکھے: اللہ تعالی نے سب پلاننگ کرلی ہے۔ اور عمل یہ کرے کہ اطاعت بجالائے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے - جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جہتِ اعتقاد کے پیش نظر عمل سے بیٹھے رہنے کے بارے میں استفسار فرمایا تو-صحابہ کو معرفت خودی کی جہت بتلائی اور عمل میں کد و کاوش کا حکم دیا۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: ہر ایک کا ٹھکانہ جنت اور جہنم کا طے کیا جاچکا ہے۔صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول تب ہم (اپنی تقدیر پر) بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور کیوں کر عمل کی مشقت اٹھائیں تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمل کرتے جاؤ (یعنی پہلے جو بتایا گیا وہ عقیدہ رکھنا ہے کیوں کہ صفات پر بھی اعتقاد ضروری ہے۔ لیکن کرنا وہ ہے جو عبادت و اطاعت ہے) پھر آپ نے فرمایا: ہر ایک کے لیے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

فرمایا: قدر صفاتِ خداوندی ہے، اور صفات تمام متشابہات میں سے ہیں، جن کو ایک حد تک تو سمجھا جاسکتا ہے یعنی جتنا قرآن و حدیث میں بتایا گیا۔ اور قدر کا مطلب صرف اتنا ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بنانے سے پہلے ہر ایک چیز کی پلاننگ کرلی ہے۔

یہ سمجھنا کوئی دشوار نہیں ہے لیکن لوگ اسی پر بس نہیں کرتے اور وہ صفات متشابہات میں چونچ مارتے ہیں ۔ حالاں کہ قرآن میں سورۂ آل عمران میں بھی اور حدیث میں بھی صفات متشابہات میں خوض کرنے سے روکا گیا ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ صحابہ کے پاس تشریف لائے، جب کہ صحابہ قدر کے سلسلے میں بحث کر رہے تھے تو آپ اتنا غضبناک ہوئے کہ گویا آپ

کے چہرے پر انگور نچوڑ دیا گیا ہو اور فرمایا کیا میں اس لیے تم میں مبعوث کیا گیا ہوں؟(کہ تم متشابہات میں بحث کرو) تم سے پہلے لوگ بھی یہی کر کے ہلاک ہوئے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی تین صفات جدا جدا ہیں: قدر، عموم قدرت اور شمول علم لوگوں نے تینوں کو خلط ملط کر دیا تو بات سمجھنے کو دشوار بنا دیا۔

حالاں کہ تقدیر کا اعتقاد رکھنا ایک بنیادی ضروری مسئلہ ہے ہر ایک اس کا مکلف ہے۔ اور جس کا حال ایسا ہو وہ مسئلہ دشوار نہیں ہوتا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جامعیت: اللہ تعالی نے اپ کو ہر فن مولا تو بنایا ہی تھا، علاوہ ازیں آپ جامع صفات و کمال، ہمہ گیر شخصیت تھے، آپ کے ذمہ جو کام ڈالا جاتا یا آپ جس کام کو کرنے کی ٹھان لیتے اسی بتوفیق الٰہی احسان و استحکام کے ساتھ انجام دیتے اور پایہ تکمیل تک پہنچاتے۔

آپ حسن عبادت، مکارم اخلاق، تعلیم و تعلم، اخلاص اور جذبۂ خیر خواہی سے جہاں رہتے جس منصب میں رہتے خیر پھیلاتے۔ یوں معلوم ہوتا خدائے دو جہاں نے آپ کو خیر کی کنجی بنایا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خیر (نیکی) کے دروازے کھولنے والے اور شر (برائی) کے دروازے بند کرنے والے ہوتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو شر کے دروازے کھولنے والے اور خیر کے دروازے بند کرنے والے ہوتے ہیں۔ پس خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے خیر کے دروازے کھولے، اور ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے شر کے دروازے کھولے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۳۷)

حضرت جعفر سے روایت ہے کہ حضرت سلمان فرمایا کرتے تھے۔ بعض لوگ بیماری (بیماری کو اٹھانے والے) ہوتے ہیں اور بعض لوگ شفا (شفا کے حامل ہوتے ہیں۔) بعض لوگ خیر کی کنجی ہوتے ہیں اور بعض لوگ شر کی کنجی ہوتے ہیں۔ [مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۳۹۴]

آپ خیر کی کنجی تھے، جس شعبے میں رہے وہاں خیر پھیلاتے۔ آپ نے کئی دہائی ترمذی بحسن و خوبی پڑھائی اور درایتاً مکمل فرمائی۔ درس بخاری از اول تا آخر درایتا انجام پاتا۔ رحمۃ اللہ الواسعہ، تحفۃ الالمعی، تحفۃ القاری، اور ہدایت القرآن جیسی مایہ ناز عظیم الشان اور ضخیم الجسام کتاب

مکمل تالیف فرمائی۔

اردو میں بخاری شریف کی کوئی عمدہ شرح موجود نہیں تھی حضرت نے اس کی کمی کو پر کر دیا۔ رحمۃ اللہ الواسعہ لکھ امت کا قرض واجب الاداء کو چکا کر اصحاب شوری دار العلوم کے لاثانی شکریہ کے مستحق ہوئے۔

آپ جس مہم میں ہاتھ ڈالتے یوں معلوم ہوتا وہ مہم آپ کی معاونت میں لگی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تحفۃ القاری مکمل ہوگئی اس کے بعد رفتہ رفتہ ہدایت القرآن پائے تکمیل کو پہنچ گئی۔

اولاد کی ذمہ داری آپ کے سراز روئے شریعت آئی تھی آپ نے تمام کی عمدہ تربیت فرمائی۔

ایک مرتبہ فرمایا: میری گھر والی مکتب میں قرآن پڑھ کر آئی تھی اور ہمارے یہاں پالنپور میں مکتب کی قرآنی تعلیم کا اچھا نظام ہے۔ میں نے اس کو حافظ قرآن بنادیا پھر میرے تمام بچوں کو بہوؤں کو، بچوں کے بچوں کو اسی نے حافظ بنایا ہے۔سوائے میرے بڑے بیٹے کے، وہ میرے پاس حافظ ہوا تھا۔ آپ کی تقریبا گیارہ اولاد ہیں نو لڑکے اور دو لڑکیاں۔

بقول مولانا نور عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے، ان کا گھر یوں معلوم ہوتا جیسے کوئی چھوٹا مدرسہ یا مکتب چل رہا ہو۔

آپ بذات خود گھر کے چھوٹے بچوں کو درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ممبئ سے چند اصحاب خیر جو دینی کاموں میں بھی سرگرم تھے۔ وقت لے کر تاخیر سے آپ کے پاس پہنچے، اس وقت آپ اپنے پوتے کو یا بیٹے کو فارسی پڑھانے لگے تھے؛ آمدن آنا مصدر، آید آئے مضارع۔ اسی درمیان معلوم ہوا کہ ممبئ کے احباب آچکے ہیں تو فرمایا: اب تو وقت گزر چکا، یہ وقت اس بچے کو پڑھانے کا ہے، اگر آپ لوگوں کو وقت دوں گا تو اس بچے کا نقصان ہو جائے گا۔ بالآخر آنے والے نامراد جانے والے ہوئے۔

سبق کا بھی آپ کبھی ناغہ نہیں کرتے، اسی وجہ سے کسی پروگرام یا دعوت میں شرکت سے اپنا دامن چھڑاتے اور کہیں جانے کی نوبت آجائے تو اس کے لیے جمعہ کا چھٹی کا دن مقرر فرماتے۔ البتہ تعطیلات کلاں میں امریکا یا برطانیہ تشریف لے جاتے اور وہاں کے باشندگان کی علمی پیاس بجھاتے۔

فقاہت بھی صلابت بھی، راست گوئی اور صاف گوئی: راست گوئی اور صاف گوئی میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ ایک علاقے کے مفتی اعظم نے اپنے فتاوی پر جو اب شائع ہوا چاہتے تھے،

آپ کے پاس تقریظ لکھوائی، آپ نے ان فتاوی کو ملاحظہ فرمایا اور تقریظ لکھ دی اس میں یہ الفاظ بھی لکھے کہ علمائے دیوبند کی یہ خاص صفت ہے کہ ان میں فقاہت بھی ہوتی ہے اور صلابت بھی لیکن صاحب فتوی میں فقاہت تو ہے لیکن صلابت نہیں ہے۔

آں مفتی صاحب کی بھی دانائی و بے نفسی کی بات تھی کہ اس تقریظ کو ہو بہو کتاب کے شروع میں باقی رکھا۔

فرمایا: ایک مرتبہ ندوۃ العلماء میں کوئی تقریب ہوئی جس میں عرب علماء بھی مدعو تھے۔ وہاں فوٹو گرافی بغیر کسی نکیر کے جاری تھی، چوں کہ عرب علماء کیمرے کی فوٹو کو تصاویر ممنوعہ قرار نہیں دیتے تو ان کو کوئی گرانی نہیں ہو رہی تھی، میں اپنے رومال وغیرہ سے چہرے پر آڑ کر رہا تھا، ایک عربی عالم نے کہا، آپ کیمرے کی تصویر سے کیوں بچ رہے ہیں، ان کی پوجا نہیں کی جاتی، مورتیوں کی پوجا کی جاتی ہے۔

عصر بعد وہ اور میں ٹہلنے نکلے نہر سے آگے جاکر سڑک کے کنارے چند غریب لوگوں نے ایک چھوٹا سا مندر بنا رکھا تھا اور اپنے معبودانِ باطلہ کی کیمرے والی تصویر دیوار سے چسپاں کر رکھی تھی۔ میں نے کہا شیخ! دیکھیے اس کی بھی عبادت کی جاتی ہے۔

مغرب بعد سے میں نے دیکھا کہ وہ بھی کیمرے کی تصویر سے میرے ساتھ اجتناب کر رہے ہیں۔

آپ کی چند انوکھی باتیں جن کی طرف آپ متوجہ کیا کرتے تھے؛

فرمایا: شہادتین کا بھی جواب دینا چاہیے، اور "وانا" کے ذریعہ مختصر جواب بھی دے سکتے ہیں۔

فرمایا: اگر دو مسلمان آپس میں ملے دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے کو السلام علیکم کہا تو جواب ہو گیا اب جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

فرمایا: اب دیوبندیت اور بریلویت میں ایک بالشت کا فرق رہ گیا ہے۔ قبروں پر کتبے لگانے پر سخت متنبہ فرماتے۔ کہتے نہ مسجد کے قریب قبر بنائی جائے۔ نہ قبروں کی زیارت کے لیے دور دراز کا سفر کیا جائے۔

فرمایا: مرد برقع کے اندر تک دیکھتا ہے اور عورت برقع کے اندر سے دیکھتی ہے، لہٰذا مستورات کی جماعت کا خروج نہیں ہونا چاہیے۔ دس سال بعد اس کے اندر بگاڑ کا اندازہ ہوگا۔

فرمایا: جو طالب علم مطالعہ کر کے آتا ہے وہ پڑھنے آتا ہے اور جو مطالعہ کر کے نہیں آتا ہے وہ پڑھانے آتا ہے۔

فرمایا: میں جس رفتار سے اور بلند آواز سے بیان کرتا ہوں درس دیتا ہوں تین تین چار چار گھنٹے تک بول سکتا ہوں لیکن ہمارے فلاں مدظلہ العالی ہیں وہ ایک گھنٹہ بیان کریں گے تو تھک جائیں گے اتنی بلند آواز سے بیان کرتے ہیں۔

فرمایا: جمعہ کی فجر نماز میں بھی سنت قراءت کی رعایت کرنا چاہیے، اگر لوگوں کو گرانی ہو تو ایک جمعہ سورۂ سجدہ کو دونوں رکعتوں میں پڑھے اور دوسرے جمعہ سورۂ دھر کو۔

آپ کے دروس پر لطف، لذت آمیز تو تھے ہی، ساتھ آپ دوران درس مزاحیہ الفاظ، مضحکہ حکایتیں اور ظرافانہ اقوال بھی موقع محل کی مناسبت سے کہہ دیا کر دیتے تھے۔ جس سے طبیعت کے اندر تازگی اور چستی دوڑ جاتی۔

آپ دوران درس اچانک ''بھینس کا انڈا'' کہہ دیا کرتے، کبھی ایک علاقے کا نام ''ہکا لکڑی'' کہہ دیا کرتے۔ کبھی قریب زمانے میں گزرے ہوئے علماء کی حکایتیں نقل کرتے یہ قول بھی سب سے پہلے آپ ہی سے سنا تھا:

صَاحِبُ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ عَلِيلٌ،
إِنْ مَرِضَتْ مَرِضَ مَعَهَا،
وَإِنْ حَاضَتْ حَاضَ مَعَهَا،
وَإِنْ صَامَتْ صَامَ مَعَهَا،
أَمَّا صَاحِبُ الِاثْنَتَيْنِ فَهُوَ بَيْنَ جَمْرَ تَيْنِ،
أَيَّتُهُمَا أَدْرَكَتْهُ أَحْرَقَتْهُ،
وَصَاحِبُ الثَّلَاثِ يَبِيتُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي قَرْيَةٍ،
وَصَاحِبُ الْأَرْبَعِ عَرُوسٌ كُلَّ لَيْلَةٍ.

بڑے قاری صاحب کا بڑا مقام

جس نے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ کے پاس شمائل ترمذی پڑھی ہے تو ضرور وفاۃ النبی ﷺ کا مفصل تذکرہ سبق میں سنا ہوگا، سنا ہوگا کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ پر کن مختلف حالات سے دوچار ہوئے اور کس دلی بے کلی سے وہ گزرے، بعض صحابہ چپی سادھے ہوئے تھے یک دم خاموش اور بعض کی گریہ وزاری تھمتے نہ تھمتی تھی، بعض تلوار سونتے بے خودی کے عالم میں بہے جارہے تھے تو بعض صحرا و بیابان کا رخ کر چکے تھے، کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ جس ذات کے بارے میں صبح پس فجر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی أَصْبَحْتُ بِحَمْدِ اللهِ بَارِءًا سن چکے تھے ان کے وصال کی خبر مرگ ناگہانی معلوم ہورہی تھی۔

(اسی وجہ سے آپ ﷺ کے چہیتے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کا سنبھالہ دیکھ کر عوالی مدینہ اپنی زوجہ اخری کے پاس جاچکے تھے، خبر ملتے ہی مسجد نبوی ہوتے ہوئے حجرۂ عائشہ تشریف لائے۔)

ایسے ہی کچھ حالات آپ کے عاشق زار، آپ پر نازل شدہ کلام کے بے لوث خدمت گار اور آپ کی سنتوں کے پیرو کار کے وفات کے وقت نظروں سے گزرے۔

تمام وابستگان سے بڑے قاری صاحب کا محبت اور خصوصیت کا معاملہ ہوا کرتا تھا اس لیے سب کے دلوں پر چوٹ یکساں لگی ہے چاہے وہ بڑی عمر کا شاگرد ہو یا قریب تر زمانے کا فیض یافتہ، شاگرد رشید ہو یا رشد و ہدایت کے چراغ کا گاہے بگاہے کا خوشہ چین۔

میں نے جامعہ کے بڑے بڑے اساتذہ کو روتے یا گم سم غم سہتے دیکھا۔ بعض صبح و شام کے حاضر باش کے متعلق سنا کہ پانچویں چھٹے دن بھی ان کا رونا چھوٹے بچوں جیسا بلک بلک کر تھا۔

ہمارے ایک استاذ محترم، بڑے قاری صاحب کے عزیز تر حضرت قاضی صاحب ممبئی بعض پروگرام میں مدعو تھے خبر ملتے ہی سب چھوڑ چھاڑ، غموں سے نڈھال دوڑے چلے آئے، وفات کی خبر ملتے ہی جو جہاں تھا سراسر غم، پرنم اور دیدار آخری کے لیے سرگرم رو بسفر تھا۔

آج میں بڑے قاری صاحب اہلیان و وابستگان، خادمان و شاگردان اور حضرت کے وجود مسعود سے برکت اور نفع اٹھانے والے ہر غم خوردہ دل سے بطور تعزیت وہی بات کہنا چاہتا ہوں

جو بعض اہل مدینہ کسی کو تواصی بالصبر اور تسلی دیتے ہوئے کہتے تھے۔

اِصبِر لِكُلِّ مُصيبَةٍ وَتَجَلَّدِ وَ اِعلَم بِأَنَّ المَرءَ غَيرُ مُخَلَّدِ
وَإِذا ذَكَرتَ مُحَمَّداً وَمَصابَهُ فَاذكُر مُصابَكَ بِالنَبِيِّ مُحَمَّدِ

(مصیبت پر صبر کرو اور ہمت سے کام لو اور یہ جان لو کہ کوئی بھی آدمی ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ اور تیرے اوپر کوئی مصیبت آئے تو یاد کر اس مصیبت کو جو تجھے نبی کریم ص ﷺ کی وفات کے وقت پہنچی تھی۔)

حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے: أَنَا فَرَطٌ لِأُمَّتِي لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي (یعنی جس کا کوئی بچہ نہیں مرا تو میں خود اس کے لیے ذخیرہ آخرت بنوں گا اس لیے کہ میرے فراق جیسی مصیبت ان کو نہیں پہنچی۔)

حضرت قاری صاحب کو ہم نے ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۸ء کے درمیان عرصے میں دیکھا، ان سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے سے اور مسلسل صحبت اختیار کرنے سے میں محروم رہا اس لیے بڑے قاری صاحب کے بارے میں وہی کچھ لکھ سکوں گا جو ہم طلباء میں مشہور تھا اور جو ایک دور سے تماشہ بین مشاہدہ کر کے نوٹ کرتا ہے۔

ہمارے زمانہ تعلیم میں حضرت والا ''بڑے قاری صاحب'' سے مشہور تھے، درسگاہ سے گھر اور گھر سے درسگاہ بڑے قاری صاحب کو آجاتے جاتے دیکھا کرتے، آپ ہلکے کاٹن، اجلے سفید کپڑے زیب تن فرمائے رہتے۔ دو پلی ٹوپی والے، زلفیں دراز ایک خوبصورت شخصیت کے مالک تھے، چھریرے بدن والے، تیز رفتار گھٹے ہوئے بدن کے ساتھ متناسب الاعضاء تھے، درمیانہ قد، نیم فربہی، چہرے میں قدرے گولائی، سر دراز، پنڈلی اور ایڑیاں بہت زیادہ گوشت سے خالی اور سراپا بارعب جلالی۔

آپ کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں بڑے بڑے اساتذہ بھی اس طرح جلدی کرتے جیسے کوئی ادنی طالب علم کسی حکم پر ہڑ بڑا گیا ہو اور بڑے بڑے قد آور اہلِ علم پانی بھرتے نظر آتے۔

درس گاہ آتے جاتے عموما آپ کے ساتھ کوئی طالب علم ضرور ہوتا جو آپ کو قرآن کریم حدراً سناتا ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا، اس طرح سنانے کے لیے وہ طالب علم بہت مشق کیا کرتا تھا

ورنہ علی رؤوس الاشہاد ڈانٹ کھانے یا دیسی ہاتھ کا چپت کھانے کے لیے اس کو تیار رہنا پڑتا۔ بڑے قاری صاحب کا طمانچہ ہمارے زمانے میں مشہور تھا اور چپت رسیدہ طالب علم ایک زمانہ تک طلباء میں مشہور رہتا۔

حضرت قاری صاحب نے ہمیشہ اپنے کام کا مدار کمیت کے بجائے کیفیت پر رکھا بعض مدارس میں سبعہ، عشرہ تک کی کتابیں لازما پڑھائی جاتی ہیں اور بے ذوق طالب علم کو بھی سبعہ عشرہ کا قاری بنادیا جاتا ہے، لیکن بڑے قاری صاحب کے یہاں یہ معمول تھا کہ تصحیح الحروف اور تجوید القرآن جو کہ ضروری ہے عربی سوم تک تمام طلباء کے لئے لازم تھا بعد ازاں باذوق شوقین طلباء از خود درخواست دیتے اور پھر ان میں بھی انتخاب کیا جاتا، پھر آپ ان منتخب، مجتبی طلباء کو پڑھاتے نہیں تھے بلکہ بناتے تھے، جس طرح قاری صاحب کو بنانا مقصود ہوتا اس سانچے میں ڈھالتے تھے، محنت و مشقت کی بھٹی میں برابر ان کو جھونکتے، خوب رگڑتے اور خود ساتھ لگے رہتے چار پانچ سال بعد وہ طلباء پورے تیار ہو جاتے تو حضرت کے مقصود کو سمجھ کر آپ کے مشن کو آگے بڑھاتے، آپ کے پاس پڑھے ہوئے طلباء میں شاذ و نادر ہی ایسے نظر آئے جو ضائع ہو گئے۔ باذوق رجال کار شاگردوں کے حصول میں باعتبار تناسب آپ اپنے ہم عصروں پر فائق نظر آتے ہیں۔

طلباء اور شاگردوں کی جماعت ایک باکمال استاذ کا قیمتی خزانہ اور بیش بہا ذخیرہ ہوتا ان کو کام میں لانا، کام میں لگائے رکھنا، کام لیتے لیتے ان کو آگے بڑھانا اور قدم قدم پر رہبری و راہ نمائی کرنا ایسا فرد ہی انجام دے سکتا ہے جو اپنے آپ میں ایک انجمن ہو، حضرت کی زندگی کے اس پہلو کو دیکھا جائے تو ایک عام آدمی کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ آپ ایک معلم ہی نہیں بلکہ ایک انجمن تھے، ایک مدرسہ کے استاذ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک کے بانی اور روح رواں تھے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ آپ کے حکم سے لجنۃ القراء کے سالانہ جلسوں میں قدیم شاگردوں کو مدعو کیا جاتا اور ان میں سے بعض کو حکم بنا کر، بعض کو قراءت کرنے کا موقع دے کر ہمت افزائی فرماتے، فارغ ہونے کے بعد برابر طلباء حضرت سے رابطہ رکھتے اور حضرت ان کو کام میں لاتے اگر آپ کا کوئی شاگرد تعلیم و تعلم قرآن کی راہ ہٹ جاتا تو ناگواری بھی فرماتے کہ ”ہم نے اس لیے تو تم کو قرآن نہیں پڑھایا تھا۔“

تعلیم نسواں کی ضرورت کا کون قائل نہیں ہے، ہر ایک چاہتا ہے خواتین کے لیے بھی بہتر سے بہتر تعلیمی میدان اسلامی شرائط کے ساتھ میسر آئے، اگر مستورات تعلیم سے تہی دامن رہی تو امت کا تقریبا دو تہائی حصہ تعلیم سے بہرور نہیں ہوسکتا، حضور ﷺ نے بھی اعلان کر دیا تھا کہ ''اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو'' حتی کہ اگر کوئی حائضہ ہو تو وہ بھی عید کے لیے چلی آئے البتہ مسجد سے دور رہے لیکن ہماری تعلیم کو غور سے سنے، تعلیم ہر ایک کی یکساں ضرورت ہے، ہم نے اپنے استاذ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنا ہے کہ وہ محرم کی موجودگی میں خاتون کو پڑھاتے تھے، حالاں کہ وہ ان سب معاملات میں کافی سخت تھے۔

بہر حال تعلیم قراءت و تجوید بھی عورتوں کے لیے ایسا ہی ضروری ہے جیسے دیگر علوم عالیہ، لیکن اس راہ میں عورتیں عرصہ طویل سے پچھڑی ہوئی دیکھی گئی ہیں وجہ اس کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس علم کا تعلق مخارج و صفات سے ہے اور ان کا تعلق لبوں اور سانس سے تو ظاہر ہے کہ ایک استاذ حدیث و قرآن کا درس تو عورت کو پردہ میں سے دے سکتا ہے لیکن تجوید الحروف پردے میں دشوار ترین ہے، لیکن ایک طویل مشق اور کثیر مزاولت سے پردہ میں اور فون پر بھی مخارج اور صفات کی کمی پکڑی جاسکتی ہے، لہٰذا بڑے قاری صاحب نے بڑی عمر میں جاکر یہ کام شروع کیا اور اس کو چار چاند لگا دیے، وہ خواتین جو حروف مستعلیہ میں ہونٹ گول کیے بغیر نہیں رہتی تھیں، شوہر اور زوج کی واو انھیں ہر حروف مفخمہ میں نظر آتی تھی آج ماشاءاللہ بہت سے مردوں سے عمدہ تر الرحمن الرحیم پڑھتی ہیں اور ہونٹ سے واو کی طرف اشارہ بھی نہیں ہوتا۔

بہت سے عورتیں سالہاسال سے حضرت کے پاس مشق کرتی تھیں، ممبئ کی بھی کافی خواتین نے اس ترتیب سے وافر حصہ لیا، بندے کی بچی بھی بیک واسطہ حضرت کی شاگردہ ہے۔ الحمد للہ

حضرت سے متعلق ایک واقعہ مجھے یاد رہا ہے: ایک مرتبہ دوپہر کے کھانا سے فارغ ہوکر طلباء مطبخ سے نکل کر ہاتھ دھو رہے تھے کہ اچانک دیکھتے ہیں کہ بڑے قاری صاحب اکڑو بیٹھ کر سر کے بالوں میں ہاتھ ڈال کر اللہ اللہ اللہ کہہ رہے ہیں اور شہد کی مکھیوں کا جھنڈ آپ پر بھنبھنا رہا ہے۔ بالوں میں، کپڑوں کے اندر تک شہد کی مکھیاں داخل ہوچکی ایسے میں کوئی پاس میں جانے سے بھی کتراتا ہے، اور حضرت پر پانی ڈال کر حفاظت کرنا بھی زیادہ کارگر نہ تھا کچھ طلباء نے ہمت کی اور مکھیوں کی جھنڈ میں جاکر حضرت کو اٹھالائے اس وقت آپ ہوش میں نہیں تھے البتہ

زبان پر لفظ اللہ اللہ اللہ کا ورد جاری تھا، کس تکلیف سے قاری صاحب گزرے ہوں گے یہ تو اللہ ہی کو پتا ہے لیکن کبھی حرف شکایت نہ انتظامیہ سے متعلق زبان سے آیا اور نہ ہی آپ کسی سے نالاں رہے البتہ لائق ستائش ہیں وہ طلباء جنھوں نے اس موقع پر قاری صاحب کی حفاظت کی۔

ایک خواب: بڑے قاری صاحب کو ہر چیز سفید پسند تھی۔ بندے سے وابسطہ ایک خاتون نے جو بالواسطہ حضرت کی شاگردہ ہیں ایک خواب دیکھا کہ حضرت ایک نہایت صاف شفاف نہر سے غسل فرما کر تشریف لا رہے ہیں اور سفید موتیوں جیسے پھول آپ پر برسائیں جا رہے ہیں، آپ کے ارد گرد شاگردوں کا ہجوم ہے، تمام نے سفید لباس ہی پہن رکھا ہے اور حضرت قاری صاحب کے قدم نہایت خوب صورت سفید محل کے طرف بڑھتے جا رہے ہیں بڑھتے جا رہے ہیں بڑھتے جا رہے ہیں۔

یقینا ہمارے بڑے قاری صاحب کا بڑا مقام ہے۔ ان شاءاللہ

مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. مرحوم کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا، ویسے تو پورا جامعہ ہی سوگوار ہے لیکن خاص طور سے ہم اور ہمارے بچے اس موتِ ناگہانی کا شکار زیادہ ہیں۔

پڑھنے کے زمانے میں تو کوئی خاص تعلق مرحوم سے نہیں رہا اور نہ ہی پڑھ کر جانے کے بعد، بس عام سی شناسائی تھی۔ ایک سال پہلے ربط وضبط زیادہ ہوگیا تھا جو یہ مرتے دم تک ہمارے اور میرے بچوں کے دل پر نقش رہے گا۔

پڑھنے کے زمانہ میں ہم مولانا مرحوم کے بارے میں صرف اتنا جانتے تھے کہ ''شعبہ حفظ'' کے قاریوں کے درمیان ''مولانا'' سے شناخت رکھنے والے مولانا رفیع الدین صاحب ایک حفظ کلاس کے استاذ ہیں۔

اپنی سادی سی موٹر سائیکل پر روانہ صبح تشریف لاتے ہیں (سال گذشتہ میں نے دیکھا کہ آپ موسم سرما میں شیئرنگ رکشے سے صبح صبح تشریف لارہے ہیں) دوپہر کا کھانا اور قیلولہ مدرسہ میں کرتے ہیں اور عصر سے پہلے اون تشریف لے جاتے ہیں، طلباء پر شفیق اور مہربان ہیں۔ ان کے پاس پڑھنے والے وقفہ میں ناشتہ کرنے میں آزاد ہوتے ہیں بلکہ گاہے بگاہے ناشتہ کا بار مولانا خود اٹھاتے تھے، وہ طلباء جو عالم بننے کے بعد حافظ بننا چاہتے تھے تو ان کی پہلی ترجیح مولانا ہی کہ درس گاہ ہوتی تھی کیوں کہ ''نو فارغین'' کی طبیعتیں قاریوں کے ''ناز'' سے زیادہ مولانا مرحوم کی وصفِ ''بے نیاز'' سے زیادہ مانوس ہوتی ہیں۔حضرت مہتمم صاحب بھی اس بات کی رعایت کرتے اور نو فارغین کو مولانا مرحوم کی درسگاہ میں داخلہ فرماتے اور مولانا مرحوم ہر ایک کو حافظ بنانے میں پوری فکر کرتے اور بھرپور امداد فرماتے، اسی طرح کے شاگردوں میں سے ایک خاص شاگرد ہمارے ممبئی کے عالم مولوی عمار بمبوی (پالنپوری) ہیں۔

بندے کے دو بچے جامعہ کے ایک قاری صاحب کے پاس حفظ میں تھے، تقریباً ڈیڑھ سال ان کے پاس حفظ کیا لیکن قاری صاحب کے اعلی معیار پر نہ اترنے کی وجہ قاری صاحب اور ہم نے چاہا کہ درس گاہ بدل دی جائے، سب سے پہلے جس کی طرف نگاہ اٹھی تو وہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب تھے، مہتمم صاحب سے بااصرار ونیازمندانہ درخواست کرکے مولانا مرحوم کے

پاس بٹھادیا گیا چند دنوں کے بعد مولانا نے مجھے کہا کہ "یہ دونوں لڑکے بہت بہترین ہیں ماشاء اللہ کہیں کوئی کمزوری نہیں ہے، بڑا والا بھی سناتا ہے تو سناتا ہی چلا جاتا ہے اور چھوٹا والا بھی سناتا ہے دونوں کو آئندہ سال حافظ بنادیں گے ان شاءاللہ مولانا ٹینشن مت لو بہت اچھے بچے ہیں"۔

ہر باپ اپنے بچوں کا جانتا ہے ،میں بھی اپنے بچوں کو جانتا ہوں لیکن مولانا کی ان باتوں سے بے حد اطمنان ہوا۔ آج کے زمانے میں چھوٹے طلباء اور والدین کو مولانا مرحوم جیسے ہی استاذ درکار ہیں۔

مولانا مرحوم کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ مولانا طلباء کو مار کر پڑھانے سے زیادہ پیار کر کے پڑھانے پر یقین رکھتے تھے ، اسی وجہ سے وہ طلباء میں مقبول تھے اور میرے بچوں کو کے بھی دل و جان میں اتر چکے تھے ، ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ہمارے گھر میں انھیں کا تذکرہ ہوتا تھا بچے ''ہمارے استاذ'' ''ہمارے استاذ'' کہ کر ان کی باتیں اور افعال نقل کرتے رہتے۔

جب کبھی بچوں کے تعلق سے ملاقات کے لیے جانا ہوتا تو بہت خوش مزاجی اور نرمی سے طویل بات فرماتے ، اور بچوں کے بارے تعریف کر کے والدین کو مطمئن اور پرسکون فرماتے بلکہ ایک اعتبار سے خوش فہمی میں مبتلا فرماتے۔ ہمارے زمانے میں جب کہ والدین اور ان کے بچوں کی دینی علوم کی طرف رغبتیں کم اور ہمتیں پست ہوگئی ہیں تو ہمارے مدرسوں کو ایسے ہی نرم اصول اساتذہ کی ضرورت ہے ۔آپ بچوں کی آں محترم سے محبت کا اور آں محترم کے کمال کا اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ وفات سے چند ماہ بعد میں اپنے دس ، گیارہ سالہ لڑکے کو سمجھا رہا تھا کہ بیٹا عیب اور کمی سے کون پاک ہوتا ہے۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی کمی ہوتی ہے ۔ ہم کو ہر ایک کی خوبی اور ہنر دیکھنا چاہیے، عیوب سے صرفِ نظر کرنا چاہیے ۔'' میں یہ سمجھا ہی رہا تھا کہ اس نے اپنے بھولے انداز میں کہا کہ ''ایک ہیں نا ایسے جن میں کوئی عیب نہیں ہے۔'' میں نے کہا کون ہیں ؟ اس نے کہا ''مولانا رفیع الدین صاحب''

ششماہی بعد معلوم ہوا کہ مولانا مرحوم ششماہی کی چھٹیوں میں غالبا اتر پردیش یا دہلی سفر پر تھے واپسی میں طبیعت ناساز ہوگئی اور ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے، ایک ہفتہ تاخیر سے مدرسہ میں حاضر ہوسکیں گے۔

رفتہ رفتہ مدت بڑھتی گئی آخری مرتبہ اپنے بچے سے سنا تھا کہ اس سنیچر کو مدرسہ میں آجائیں

گے مولانا نے اپنی عیادت کرنے والے طالب علم سے بذات خود کہا ہے لیکن سنیچر سے ٹھیک ایک دن پہلے ان کی خبر وفات آ گئی۔

انا للّٰہ وانا الیہ رجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے ۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جامعہ کو مولانا مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے ۔آمین یارب العالمین

حضرت مولانا عاقل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عاقل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے معرفت ان کی دو شرح ''الدر المنضود شرح ابی داؤد'' اور ''الفیض السمائی شرح سنن نسائی'' سے ہے۔آپ کا مرتبۂ علمی؛ حدیث میں رسوخ، حدیث کے مباحث پر وثوق آپ کی ان دو شرحوں سے واضح ہے۔نقل مذاہبِ میں بڑے محتاط ہیں، قال ابو داود ''الدر'' میں اور قال ابو عبد الرحمن ''الفیض'' میں بحسن و خوبی حل فرمایا ہے۔

کچھ عرصہ ''سنن النسائی'' کے ایمان و نذور، محاربہ، بیعت، بیوع، استعاذہ کے ابواب زیر تدریس رہے ان ابواب کے اقاویل ابی عبد الرحمن اور حل مشکلات کے لیے ''الفیض'' کو لاجواب پایا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بواسطۂ دو استاذ، شاگرد ہونے کا بھی شرف حاصل ہے حضرت مولانا اسماعیل صاحب چاسوی دامت برکاتہم نے ابو داود شریف اور حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نسائی شریف ان سے پڑھی ہے اور ہم نے اپنے ان دونوں بزرگ استاذ سے۔یہ دونوں کتابیں پڑھیں ہیں۔

جس طرح ڈابھیل میں حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کا اور دیوبند میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا درس طلباء میں مقبول اور ہردلعزیز تھا سہارنپور میں حضرت مولانا سید عاقل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سبق طلباء میں کافی پسند کیا جاتا تھا، درسگاہ طالبان علوم نبوت سے پر ہو جاتی، کوئی غیر حاضری نہیں کرتا تھا۔

بندے کو چند اسباق میں حاضری کی سعادت ہوئی ہے، اس وقت بالکل چاق و چوبند ہوکر بغیر ٹیک لگائے بیٹھتے تھے، ابو داود شریف کا کتاب الجہاد زیر درس تھا، مولانا مرحوم صاف اردو زبان میں مغربی اتر پردیش کی لے میں تقریر دلپزیر فرمارہے تھے، ہر حدیث کے ضمن میں اقوال ائمہ نقل کرکے دلائل اور جوابِ خصم تسلسل کے ساتھ نقل کرتے جارہے ہیں، طلباء ہمہ تن گوش ہیں ہر ایک کے کان اپنے استاذ محترم کی تقریر پر لگے ہوئے ہیں، ہم سب سے پچھلی صف میں تھے، پچھلی صف کے طلباء بھی سراپا گوش تھے۔

درس کی ایسی مقبولیت جو طلباء کو سونے سے اور ان کے دماغ کر منتشر کرنے سے روک

دے بہت کم اساتذہ کو حاصل ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم تمام طلباء پر یکساں متوجہ ہیں۔

یقیناً ان کے اعزاء و اقارب کے لیے، دار العلوم سہارنپور کے لیے، ان کے اس سال کے طلباء اور عموماً تمام طلباء کے لیے اور ہم سب مستفدین کے لیے آج یومِ حزن اور روزِ سوگوار ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور دار العلوم سہارنپور کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، مولانا مرحوم کی سعی کو مشکور بنائے اور اعمال کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائے۔

حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب چاسوی دامت برکاتہم

ہم نے اپنے اساتذہ میں دیوبند کا کھراپن و تصلب بھی دیکھا ہے اور سہارنپور کی صوفیت اور استغنائیت بھی دیکھی ہے۔ ہمارا گلشن (جامعہ) ہر طرح کے پھولوں سے سجا گلِ گلزار تھا۔ مظاہری اساتذہ کی خوبو لیے ہمارے درمیان ایک گمنام لیکن نیک نام شخصیت علامہ چاسوی کی تھی۔

اپنے اساتذہ اور اسلاف کی خصوصیتوں میں سے استغنائیت، عدم شہرت اور بے تکلفی کا رنگ آپ پر نمایاں تھا۔ ان دونوں وصفوں سے متعلق کچھ واقعات گوش گزار کرنا مقصود ہے۔

ہمارا عربی پنجم ۲۰۰۵ء/۲۰۰۶ء کا سال تھا، اسی سال آپ کی والدہ یا والد کا انتقال ہوا۔ جمعرات کا دن تھا آپ جنازہ میں شرکت کر کے سنیچر کے دن اپنے گھنٹے میں حاضر تھے اور اسی معروف انداز سے سبق پڑھا رہے تھے کہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ یہ شخص اپنی والدہ محترمہ یا والد ماجد کی قبر کو مٹی دے کر آیا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا: کہ ہم کو ایک دعوت میں شرکت کا موقع ملا، ویسے ہم کو تو کوئی بلاتا نہیں ہے مہتمم صاحب کی وجہ سے شرکت ہمارے حصہ میں بھی آ گئی۔ آئی بات سمجھ میں میاں۔ دسترخوان پر طرح طرح کے پکوان تھے علماء اور بزرگوں کے ہاتھ منہ برابر چل رہے تھے، میں نے دیکھا ایک کٹورا ہر ایک سرکاتا جارہا ہے، کوئی اس سے لیتا ہی نہیں، اب کنارے پر ہم ہی تھے، ہم نے دیکھا کہ اس میں ''جھینگا'' ہے۔ ہم نے اپنی پلیٹ کے سامنے رکھ کر کھانا شروع کیا اور مہتمم صاحب نے مجھے دیکھ کر ہنسا۔

آپ اپنے مزاج کی وجہ سے ایسے ہی طلباء کو پسند کرتے تھے جن میں تکلف نہ ہو اور مشہور ہونے کا مرض نہ ہو۔ احمد ابادی طلباء میں نسبتاً کم تکلف ہوتا ہے اس لیے آپ کے کھانے لانے کی خدمت یہی طلباء انجام دیتے ہیں۔

مشہور لوگوں سے خواہ علماء ہوں یا آپ کے طلباء آپ دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ ڈابھیل گاؤں کے ایک گمنام مولوی، ظہیر لیلا ہیں معمولی کپڑوں اور بکھری داڑھی کے ساتھ اپنی ''لیلا اسٹور'' بڑی لگن سے چلاتے ہیں، بے تکلف اور غیر معروف شخص ہیں، ان کی چاسوی صاحب سے خوب پٹتی ہے، کوئی چھوٹا موٹا کام ہو تو ان سے کرواتے ہیں۔

جامعہ کے ایک غیر معروف قاری ہیں قاری ساجد آکولوی اپنی دنیا میں مگن ہیں اور اپنی ذمہ داری خوب نبھاتے ہیں، چاسوی صاحب سے ان کے حجرہ پر ملاقات کرنے گیا تو معلوم ہوا کہ آپ کو ''ان قاری کی خدمات اور راستے میں آئی پریشانیاں'' سب کا علم ہے۔ آپ نے نصیحت بھی فرمائی اور حوصلہ بھی بڑھایا۔

چاسوی صاحب سے پڑھنے کی تمنا طلبا کے دل میں اسی وقت سے موجزن ہوجاتی ہے جب وہ چاسوی صاحب کی درسگاہ سے قہقہوں کی آواز سنتے ہیں اور بڑے طلباء سے آں محترم کا تذکرۂ خیر و ہزل سنتے ہیں۔ کچھ تسکین ان طلباء کو ہوجاتی تھی جن کا آپ عربی دوم میں امتحان لیتے تھے۔

ہمارا عربی دوم کا امتحان لینے تشریف لائے تو کچھ چنچل طلباء کے چہروں کو پڑھ کر سمجھ گئے کہ ہنسی کی بات سننا چاہتے ہیں۔ ایک طالب علم سے پوچھا کہ آپ کہاں کے ہیں، جواب دیا کہ بمبئی۔ فرمایا کیا بمبئی؟ میں بمبئی گیا تو لوکل میں اعلان ہوا اگلا اسٹیشن ''اندھیری'' لیکن وہاں تو اجالا ہی اجالا تھا۔ پھر اعلان ہوا کہ اگلا اسٹیشن ''واندرے'' لیکن وہاں تو ایک بھی بندر نہیں تھا، پھر اعلان ہوا اگلا اسٹیشن ''دادر'' لیکن پورے اسٹیشن پر ایک بھی دادر نہیں۔ یہ ہیں بمبئی والے۔

ہر ہر جملہ پر طلباء کے قہقہے تھے جو کلام سننے میں بھی دشواری پیدا کر رہے تھے۔

ایک مرتبہ سالانہ نتیجہ کے دن چاسوی صاحب کو کچھ بیان کرنے کے لیے حضرت مفتی محمود صاحب بارڈولی نے مدعو کیا؛ آپ اپنے مخصوص انداز میں سفید رومال کندھے پر ڈالے مائک پر تشریف لائے اور کھڑے کھڑے تقریر فرمائی، بہت سی باتیں تو طلباء کے قہقہوں نے سننے نہ دی ایک بات یہ کہی تھی کہ "آئی بات سمجھ میں میاں، ہم اپنی مسجد میں نماز پڑھ کر بیٹھے تھے کہ مسجد میں اعلان ہوا کہ ''حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے ہوئے ہیں بقیہ نماز کے بعد ان کا بیان ہوگا۔'' تو میں نے دل میں کہا حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی یہاں کہاں تشریف لے لائے، کب انھوں نے دیوبند چھوڑا اور یہاں کیسے آئے؟

بس طلباء کے جو قہقہے تھے وہ آگے کی بات سمجھنے میں آڑ بن گئے اور حضرت تھے کہ بغیر ہنسے اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھے۔

آپ کی بے تکلفی، بے شہرتی آج بھی کسی کو دیکھنا ہو تو جامعہ کی مسجد میں نماز سے پانچ منٹ پہلے پہنچ جائے، آپ جامعہ کی قدیم مسجد کے صف اول میں اپنا سفید رومال آگے رکھے ہوئے دوزانوں بیٹھے ہوتے ہیں، جیسے ہی اقامت شروع ہوتی ہے، معمولی سا سہارا زمین پر لگا کر

اٹھتے ہیں اور پچھلی صفوں میں عام طلباء کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں، کسی مخصوص جگہ کا پہلے سے کوئی انتظام نہیں ہوتا، نماز، دعا ہوتے ہی صفوں سے نکل کر مسجد سے نکل جاتے ہیں۔بعض پر تکلف طلباء صفوں سے ہٹ کر جانے کی جگہ دیتے ہیں لیکن آپ وہ راہ بالقصد نہیں لیتے۔

نماز پڑھ کر آپ ایک مرتبہ نکل رہے تھے تو جوتے پہنتے ہوئے ایک خوب رو، صاحب مال کثیر جنوبی ہند کے ایک قدیم طالب علم نے جو کئی سال بعد اپنے مادر علمی آئے تھے، جو اپنے علاقے کے مشہور علماء میں سے تھے۔چاسوی صاحب سے ملاقات کی، آپ نے تھوڑا سا ہاتھ بڑھا کر ملاقات کی اور آگے کو چل دیے۔یہ عادت اگرچہ کچھ لوگوں کے دل پر گراں گزرے لیکن حضرت کا مزاج ہی ایسا ہے یعنی اسباب میلان طبع لیے ہوئے فرد کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے۔ اسباب تکلف سے آپ خوب دور تھے۔

بیوی کے انتقال کا غم اور انتقال کے بعد کسی سہارے کی ضرورت کا احساس آپ اس سے معلوم کر سکتے ہیں جس کی بیوی مر چکی ہو۔اس کے بعد کسی بھی مرد کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ دوسری شادی کرے یا اپنوں میں اپنے بچوں پوتوں نواسوں میں زندگی گزارے، لیکن آپ استقامت اور استقلال کا پہاڑ ہیں، کئی سال ہوگئے حضرت کی اہلیہ کا وصال ہوگیا لیکن حضرت کی روٹنگ جوں کی توں ہے جیسا آپ لوگوں کو برسوں سے معہود ہے۔

محدث عصر حضرت العلام مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گجرات کے دو طالب علم مجھ سے کماحقہ پڑھ کر گئے ہیں ان میں ایک عبد اللہ گجراتی یعنی مفتی عبد اللہ مظاہری اور دوسرے مولانا اسماعیل چاسوی صاحب۔

ایک یادگار ملاقات: ایک مرتبہ حضرت الاستاذ علامہ چاسوی صاحب کے پاس گیا، وہ اپنی رہائش گاہ کے بغل والے کمرے میں آرام فرمارہے تھے، تعارف کروایا کہ قاری زکریا چاسوی کا درسی ساتھی ہوں، اپنی تکان کا اور بیماری سے افاقہ کا تذکرہ کر رہی رہے تھے کہ اسماعیل بھائی نوساری جو علامہ چاسوی کے گھر کا کام کرا رہے تھے تو ان سے ایک دم پوچھا ''اسماعیل بھائی ہوں تھیو؟'' تو اسماعیل بھائی نے کہا یہ کام کرنے والے کو شہد کی مکھی نے کاٹ لیا (گجراتی میں جواب دیا) پھر علامہ بھی پرانے واقعات ایک سنہری یاد کی طرح بالتفصیل سنانے لگے، امید کرتا ہوں قارئین بھی تفصیل پڑھنا پسند کریں گے۔

فرمایا کہ حضرت قاری صاحب کہیں دعوت سے تشریف لا رہے تھے، ان کو باہر ہی گاڑی سے اتار دیا، اسی وقت یہاں کسی نے شہد کے چھتے پر پتھر دے مارا تھا اور بھاگ گیا تھا، وہاں سے قاری صاحب کا گزرنا ہوا، مکھیوں کو اور تو کوئی نظر نہ آیا قاری صاحب کو ایسے گھیر لیا جیسے تبلیغ والے تشکیل کے لیے گھیر لیتے ہیں یا رکشا والے پیسنجر کو گھیر لیتے ہیں۔ قاری صاحب کو گاڑی میں داخل کر دیا گیا اور گلوکوز چڑھائے گئے تاکہ زہر نہ چڑھ پائے۔

آئی بات سمجھ میں میاں! ہم عیادت کرنے چلے گئے، قاری صاحب لیٹے ہوئے ہیں، ہم نے کہا (اور بھی وہاں لوگ تھے) اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو بھی عجیب فہم دیا ہے، ان کو پتا ہے کہ مٹھاس کہاں ہے وہیں وہ جاتی ہیں (حضرت قاری صاحب کو شگر کا مرض تھا اس طرف کو اشارہ ہے) (حضرت قاری صاحب بمشکل ہی اپنی ہنسی روک پائے) پھر اپنے اور قاری صاحب کی بے تکلفی سے آگاہ کیا، اگرچہ ہم عمر میں ان سے چھوٹے تھے لیکن ان کے ابتدائی سالوں سے ہی ہماری بے تکلفی تھی۔

فرمایا: ایک مرتبہ کسی نے ہماری دعوت کی ہمارے علاوہ سب بڑے حضرات تھے حضرت قاری صاحب بھی تھے اور مہتمم صاحب بھی تھے، میں نے قاری صاحب سے کہا: قاری صاحب! آپ کی شوگر تو بالکل ختم ہوگئی ہے۔ قاری صاحب نے انکار میں جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں ہاں ختم ہوگئی۔ قاری صاحب نے کہا آپ کیسے کہہ سکتے ہو ختم ہوگئی ہے؟ میں نے کہا کہ اب سننے میں نہیں آرہا ہے کہ اپ کو شہد کی مکھی نے کاٹا ہو۔ (مجلس میں ایک مسکراہٹوں کی خوشگوار فضا قائم ہوگئی) مہتمم صاحب نے بھی کہا تم یار کسی کو نہیں چھوڑتے ہو۔ (ایک اور مرتبہ مسکراہٹوں کی بارش)

فرمایا کہ میں نے اپنے طالب علم خادم کو کہا کہ دیکھنا ذرا ذمہ دار کو اطلاع کر دینا اگر شہد ٹوٹا جائے تو میرا بھی نام لکھ لیں۔ تو وہ ذمہ دار کے پاس چلا گیا اور ذمہ دار نے کہا کہ ابھی بارش میں شہد کا چھتہ گیلا ہوتا ہے اس کو تو موسم سرما میں توڑا جائے گا پھر وہ طالب علم خادم میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ وہ منع کر رہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ موسم سرما میں توڑا جائے گا۔ میں نے کہا: میں نے ابھی تھوڑا تجھ کو لانے کہا تھا میں نے کہا تھا کہ جب توڑیں گے تو میرا نام فہرست میں ہو۔

ایک شہد کے تذکرہ پر علامہ نے تین مفرح واقعات سنا دیے۔

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کی بافیض صحبت

آپ علمی اور سلوکی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں، تصوف وسلوک کی موشگافیوں کو علمی انداز میں زبان وقلم سے طلباء و علماء کے سامنے خاص انداز سے پیش کرنا آپ کا اپنا ملکہ اور مہارت ہے۔

اسی وجہ سے طلباء اور علماء کا جھکاؤ حضرت کی طرف کافی ہے بالخصوص حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس میں اضافہ ہوا ہے، وہ حضرات جو تھانوی مجددی نسبت کے لیے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی طرف مراجعت کرتے تھے ان کے بعد ان لوگوں کی نظر انتخاب حضرت والا ہی طرف ہوئی ہے۔

آپ اپنے فن طریقت میں ماہر مخلص اور شریعت وطریقت کے جامع ہیں، زبان شیریں الہ بادیہ، انداز دل لبرانہ، صحبت مخلصانہ اور بافیض ہے۔ دل سے جب دنیا ختم ہو جاتی ہے اور لہجہ میں صداقت اور صلابت ہو تو وہ وارد دین پر اثر کرتی ہے۔

اس رمضان کے آخری کے چند دن بندے (حذیفہ بلساڑی) کو حضرت کے پاس گزارنے کی توفیقِ الٰہی ہوئی، آپ کی مجالست و مصاحبت کا موقع ملا، آپ کی باتیں عموما قرآن و حدیث ہوتی ہیں یا اس سے منتزع ہوتی ہیں، آپ کی مجلس میں دل روشن ہوجاتا، گویا کسی میت کو از سر نو زندگی ملی ہو، دل کی قساوت ختم ہو جاتی اور دل کی نرمی سے اپنے اعمال پر پھوٹ پھوٹ کر رونے دل کرتا۔

یوں احساس ہوتا کہ ہم کس دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں؟ کس اندھیرے اور تاریکی میں؟ دل کی یہ ضیاء یہ جلا کیوں ہمیشہ نہیں ہے۔ آخرت کی طرف رغبت اور دنیا سے رغبتی ابھی ہی کیوں محسوس ہوتی ہے۔ کیا یہ منافقت ہے یا زندہ دل ولی کی صحبت کا اثر ہے۔ کیا ان کے سوزِ جگر اور حسنِ گفتار کا یہ اثر ہے جو اپنے پاس آنے والوں کو بافیض کرتا رہتا ہے۔

ایک مجلس میں حضرت نے فرمایا کہ ”ولایت، زندہ دلی جن حضرات کو بھی دی جاتی ہے وہ جوانی ہی میں دی جاتی ہے۔“

مجلس کے بعد میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میں جوانی کے مراحل سے گزر رہا

ہوں لیکن میں ابھی تک اپنے اندر ایسی کوئی بات نہیں دیکھتا ہوں، میرے دل میں قساوت ہے ارادوں میں مضبوطی نہیں، وظائف میں پابندی نہیں آپ کی مجلس میں ہوتا ہوں تو نیک کام کرنے کے جذبات ہوتے ہیں دل میں نرمی ہوتی ہے، گناہوں پر رونا آتا ہے لیکن آپ کی صحبت بافیض سے دور جاتا ہوں تو مجھ سے کوتاہیاں ہوتی ہیں ارادوں میں اضمحلال آتا ہو عمل میں ٹھہراؤ اور جماؤ باقی نہیں رہتا۔ کیا میں ان خوش نصیب اہل اللہ صاحب نسبت زندہ دل لوگوں میں آسکتا ہوں جن کا تذکرہ آپ سے سن رہا ہوں تو حضرت نے مجھے سینہ پر تھپکی ماری اور دلاسہ دیا ہمت باندھی۔

رمضان کے بعد حضرت کا بلساڑ بھی آنا ہوا، آپ میں نقاہت کافی ہے خود اٹھنا چلنا دشوار ہے، لیکن جب جمعہ کا دن آیا تو حضرت جامع مسجد تشریف لائے یہاں نماز ادا کی اور بیان بھی فرمایا اور عشاء بعد اپنے جائے آرام پر تشریف لے گئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عشاء اور فجر کی نماز میں کیا فضیلت ہے تو لوگ آئیں اگرچہ ہاتھ اور گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آئیں۔ آپ کو بامشقت جانے کے وقت یہ حدیث میرے دل و دماغ میں گردش کرنے لگی۔

بہر رمضان میں بھی گیا اور اب حضرت بھی جدا ہوا چاہتے ہیں لیکن رمضان، عید چھوڑ کر گیا ہے اور حضرت کا کوئی بدل ہمارے پاس نہیں ہے۔ افسوس حضرت کی جدائی کا کچھ سوا ہے۔

کتبہ العبد محمد یحییٰ بن عبد الحفیظ من حذیفہ بلساڑی

———

ایک سبق مولانا الیاس صاحب کی درس گاہ میں

(استاذ حدیث شریف جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل دامت فیوضہم)

حضرت مولانا الیاس صاحب جامعہ ڈابھیل کے ان اساتذہ میں سے ہیں کہ اگر میری وساطت سے فائن ٹچ کا کوئی طالب علم جامعہ کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھتا ہے تو میں اس کو ضرور تاکید کرتا ہوں کہ مولانا الیاس صاحب کے سبق میں ضرور بیٹھنا، بتوفیق الٰہی یہ سعادت آج مجھے بھی نصیب ہوئی۔

ہمارے وقت یعنی دوسرے ہزارے کے پہلے عشرہ میں، آپ چار گھنٹے مستقل پڑھاتے تھے اور دورۂ حدیث میں موطا امام مالک خارج میں آپ سے متعلق تھی۔ان چار گھنٹوں میں یہ اہم کتابیں آپ سے وابستہ تھیں:اصول الشاشی، دروس التاریخ، شرح الوقایہ، مختصر المعانی، اور ھدایہ جلد ثالث اور ابھی صرف دو گھنٹے پڑھاتے ہیں ،چوتھے گھنٹے میں مشکاۃ شریف جلد اول اور پانچویں گھنٹے میں مسلم شریف۔

میرا یہ معمول ہے کہ جب کبھی حضرت مولانا کے سبق میں بیٹھنا ہوتا ہے تو جامعہ کے ”دار السنہ“ کے نیچے آپ کا انتظار کر کے سبق میں بیٹھنے کی اجازت طلب کرتا ہوں،آپ بخوشی اجازت مرحمت فرماتے ہیں۔آج بھی ایسا ہی ہوا اور اجازت لے کر آپ کی درسگاہ میں آپ کے ساتھ داخل ہوا۔

آپ کی درس گاہ کا باوقار ہونا، طلباء کے بیٹھنے کی ہیئت؛ کسی کا ایک زانوں یا کسی کا دو زانوں بیٹھنا، طلباء کا نیند اور ایسی بیٹھک جو نیند کو دعوت دے سے احتراز کرنا، طلباء کی ایک بڑی تعداد کا کاپی قلم لے کر بیٹھنا،اور کچھ طلباء کا حرف بہ حرف سبق کی تقریر نقل کرنا، لکھتے وقت کاپی میں اور سنتے وقت استاذ ہی کو دیکھتے رہنا، بے جا التفات ،فضول حرکت اور ہونٹوں پر بے مطلب ضحک سے احتیاط برتنا میں بھولا نہیں تھا، میرے ذہن میں مستحضر تھا۔قدم بقدم آپ کے ساتھ آپ کی درس گاہ میں داخل ہوا تو اس کا مشاہدہ بھی ہوگیا۔

ہمارے داخل ہونے سے پہلے ہی درس گاہ میں ہو کا عالم تھا کوئی کسی سے خسر پسر بھی نہیں کر رہا تھا نہ کوئی یہ معلوم کر رہا تھا کہ سبق کہاں سے ہے، نہ کتاب اٹھا رہا تھا نہ اوراق پلٹ رہا

تھا،سب چپ چاپ مجسمۂ سکون بیٹھے ہوئے تھے ، بطور سزاء کے ایک طالب علم دیوار کی طرف رخ کیے بیٹھا تھا۔

پہلے ہی کی طرح آپ کا اب بھی یہ معمول ہے کہ استحکام، مضبوطی، پختگی، استواری اور متانت سے نظریں جھکا کر چلتے ہوئے سلام کر کے درسگاہ میں داخل ہوتے ہیں اور مسند درس پر پورے کھڑے ہو کر کچھ اس طرح چار زانوں بیٹھتے ہیں کہ بایاں پاؤں کے ایڑی والے حصہ پر بیٹھ کر دایاں قدرے آگے کی طرف نکال کر ٹیک لے کر بیٹھتے ہیں ،پھر تین سانس میں تقریبا آدھا گلاس پانی پی کر جیب میں موجود طے کیے ہوئے رومال سے ہونٹوں کا صاف کرتے ہیں۔

پھر گزشتہ کل اگر کوئی غیر حاضر رہا ہو تو وہ مہتمم صاحب کا رقعۂ رخصت بتاتا ہے اس کے بعد جس طالب علم کی باری ہوتی ہے وہ عبارت پڑھتا ہے۔

آج بھی ایسا ہی ہوا البتہ حدیث جبریل چوں کہ پہلے پڑھ لی گئی تھی اور اس حدیث کی تقریر ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اس لیے عبارت پڑھانے کا عمل آج نہیں ہوا۔

آپ کی درس گاہ میں ہر طالب علم کا عبارت پڑھنا پھر اس کا ترجمہ کرنا ضروری ہوتا ہے اس کے لیے باری مقرر کرتے ہیں اور اعرابی غلطی آپ کے یہاں برداشت نہیں کی جاتی ہے۔ صحیح عبارت خوانی کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، بالخصوص حدیث پاک کے کتاب میں، اسی لیے بعض کمزور طلباء اپنی باری کے موقع پر کتابوں پر اعراب لگالیا کرتے تھے۔

آپ کا سبق چاہے جس کتاب کا ہو نہایت وقیع ہوتا ہے کئی کتابوں کے مطالعہ کا نچوڑ ہوتا ہے، پہلے اس بات کا اندازہ اتنا نہیں ہوتا تھا لیکن اب جب میں کچھ پڑھانے لگا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ یہ کسی ایک عربی شرح کا خلاصہ بلکہ اس کتاب کی عربی شروح کا خلاصہ نہیں ہے بلکہ اس فن کی کتابوں کا لب لباب ہے جو طلباء کے کانوں کو ٹکرا رہا ہے اور ان کے نوک قلم پر ہے۔

حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اب مدرسہ والوں کو اگر ان کے شیخ الحدیث کا انتقال ہوجائے تو شیخ الحدیث نہیں ملتا مہتمم خود اردو شرح لے کر درس بخاری شروع کر دیتا ہے۔

ایسے زمانہ میں حضرت جیسوں کا وجود ایک غنیمت ہے، ہمارے مہتمم صاحب ایسی غنیمت کی قدر بھی خوب کرتے ہیں کہ کچھ کتابوں کی تدریس کا بار گراں آپ سے کم کر دیا گیا ہے۔ اب آپ

علم حدیث ہی میں اپنے شب و روز بسر کر رہے ہے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء
آپ سبق کی ابتداء قدرے دھیمی آواز سے کرتے ہیں اور رفتار بھی ہلکی ہوتی ہے، آپ کے ہونٹوں سے پتا چلتا ہے کہ آپ کچھ کہہ رہے ہیں پھر آواز بلند اور رفتار قدرے تیز ہونے لگتی ہے آپ الفاظ صاف واضح ادا کرتے ہیں ہر لفظ دوسرے سے جدا، حرفوں کو چباتے نہیں ہیں کہ بعض مشکل الفاظ کا تلفظ سمجھ میں نہ آسکے۔

دوران درس اکثر طلباء پر آپ کی نگاہ ہوتی ہے کسی کو سونے کی اجازت نہیں ہوتی فرماتے ہیں: نوم غیر اختیاری ہے لیکن اسباب نوم اختیاری ہیں، ایسی ہیئت پر مت بیٹھو کہ نیند آنے لگے۔

دوران درس بائیں پہلو میں دل کی جانب ہلکی گردن جھکا کر ایک آدسکینڈ کے لیے دیکھتے ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید کچھ سوچ رہے ہیں اور پھر ہر مرتبہ کے بعد علم کا دریا بہتا ہے۔

کبھی کسی اعتراض کے جواب میں یا عبارت کی تشریح میں کوئی مشکل لفظ بول کر آگے گزر جائیں گے طلباء بات سمجھ نہیں پاتے ہیں تشنگی باقی رہتی یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید مولانا یہ بات چھوڑ کر گے بڑھ گئے، اب اس کا سمجھنا رہ ہی گیا، لیکن کچھ دیر بعد تقریر کا رخ ایسا بدلتا ہے کہ وہی مشکل لفظ کی تشریح ہوجاتی اور اس انوکھی تقریر اور اچھوتے انداز سے طلباء کے دل جھوم اٹھتے ہیں گویا کوئی فوت شدہ نعمت اچانک مل گئی ہو۔ اس دوران ہلکی سے مسکراہٹ بھی آپ کے لبوں پر آتی جو زیادہ دیر باقی نہیں رہتی۔

میں آج جس سبق میں حاضر تھا مشکاۃ شریف، کتاب الایمان، حدیث جبریل کا سبق تھا سبق شروع ہوا "وکتبه" سے، یہ بھی آپ کے سبق کا خاصہ ہے کہ آدھے پونے جملے پر سبق ختم ہوجاتا ہے چنانچہ حدیث جبریل عن عمر رضی الله تعالی عنه میں ما الاسلام کے بعد ما الایمان کا سوال ہے، اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ. اس میں وَكُتُبِهِ سے سبق شروع ہوا اور ما الحسان کے سوال پر ختم ہوا، جواب ابھی باقی ہے۔

اگر آپ کو مولانا موصوف کی درس گاہ کا کچھ ذائقہ لینا ہو تو "نوادرات دارسعید" ایک یوٹیوب چینل ہے اس میں آپ کے چند اسباق کی ریکاڈنگ موجود ہے۔

ذکر ایک ملاقات کا: ہمارے زمانے میں یہ مشہور تھا (ممکن ہے کہ اب بھی حالات ایسے ہیں

ہوں) کہ ڈابھیل کے طلباء اپنے اساتذہ کا ادب و احترام بہت کرتے ہیں، یہ ان کے دلوں میں ان کے اساتذہ کی محبت کا ثبوت ہے۔ اور یہ محبت یک طرفہ نہیں ہے بلکہ دو طرفہ ہے، اساتذہ بھی اپنے طلباء پر بڑے مہربان اور دل و جان سے نچھاور ہوتے ہیں۔

آج حضرت مولانا الیاس صاحب لوہاروی دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا تقریباً چار سال بعد میں استاذ محترم سے ملا اور ان چار سالوں میں راقم کا وزن بیس کلو بڑھ چکا تھا بالوں میں شیب اور چہرے پر شیخوخت اتر چکی تھی لیکن استاذ محترم نے پہلے لمحہ میں ہی فرمادیا ''یحیٰ'' آو اندر آو اور چائے بسکٹ سے ضیافت فرمائی۔

مجھے جان کر حیرانی ہوئی کہ حضرت بندے کے احوال پر بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ حالات سن کر لطف اندوز ہوتے رہے اور جب بھی کسی نئے ہنگامے کا ذکر کرتا تو تبسم فرماتے، مجھے لگ رہا تھا استاذ محترم میری باتوں سے محظوظ ہو رہے ہیں، لیکن ادب بات دراز کرنے سے مانع تھا۔ باتوں سے مجھ کو اندازہ ہوا کہ استاذ محترم کو کافی پرانی سرسری باتیں بالتفصیل یاد ہیں۔ وہ بیان کرنے کے بعد سر پر یکے بعد دیگرے تین انگلیاں مار کر کہتے ہیں کہ اب پہلے جیسا حافظہ نہیں رہا۔

———

محسن ومخلص استاذ حضرت مولانا مفتی حفظ الرحمٰن سملکی

آج ملت اسکول میں مسابقہ قرآن کی مناسبت سے بطور صدر جامعہ ڈابھیل کے استاذ حضرت مولانا مفتی قاضی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سملکی مدعو تھے، اس وجہ سے ان کا تعارف نامہ لکھا تھا جو آپ لوگوں کے پیش خدمت ہے۔

آپ جامعہ ڈابھیل کے فاضل اور وہیں کے قاضئ شریعت اور ایک کامیاب مدرس ومربی ہیں، علم وعمل کے کم ہی میدان ایسے ہوں گے جس پر آپ کا گزر نہ ہوا ہو۔

معاشرے کے بگاڑ اور نوجوانوں میں آنے والی خرابیوں پر آپ کی گرفت مضبوط ہے۔ آپ ہر دلعزیز خاص و عام ہیں، اہل علم میں آپ کے علمی شہ پارے، دقیق نکات، بلیغ کنائے، فقہی اصطلاحات اور جچے تلے گاڑھے چھنے ہوئے الفاظ سن کر اندازہ کرنا مشکل ہے کہ آپ عوام میں بھی اسی قدر مقبول ہوں، آپ عوام کے سامنے ان ہی کے فہم کے مطابق گفتگو کرتے ہوئے معاشرے میں درآئی برائیوں کا، نوجوانوں مردوں میں جگہ پکڑی بے حیائیوں کا، خواتین اور نوجوان بچیوں میں پائی جانے والی خرابیوں کا اور سماج میں موجود بری رسموں کا احسن طریقے سے قلع قمع کرتے ہیں، پہلے ان برائیوں کو بیان کرتے ہیں پھر ان کا مناسب علاج تجویز فرماتے ہیں۔ مَن لَمْ يَعْرِفْ عُرْفَ زَمَانِهِ فَهُوَ جَاهِلٌ، وَلَوْ كَانَ فَقِيهًا۔ فقیہ کا اپنے عرف اور جدید طریقہائے خرید فروخت کا جاننا ضروری ہے ورنہ وہ حقیقی معنوں میں فقیہ نہیں ہوسکتا، حضرت مفتی صاحب بھی ان باتوں پر کامل دست ترس رکھتے ہیں۔

آپ علم کے ساتھ اخلاق وشمائل میں بھی نبی کریم ﷺ کے وارث ہیں نہایت خلیق اور ملنسار ہیں، آپ کے پاس بیٹھنے والا آپ کے چہرے کے نور اور ان اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا جن پر آپ کو ڈھالا گیا ہے۔ آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے ہے اور ان ہی سے اجازت حاصل ہے۔

سیرت و کردار کے لحاظ سے آپ بے شمار خوبیوں اور متنوع صلاحیتوں سے مالا مال ایک غیر معمولی اور حیرت انگیز شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ ایک عمیق اور دوربیں محقق بھی ہیں اور کامیاب خطیب بھی، آپ بہترین منتظم بھی ہیں اور درس گاہ کے ہر دل عزیز مدرس بھی، مشکل

سے مشکل معنوی مباحث کو اپنے شیریں لہجہ اور منتخب الفاظ سے طلباء کے ذہن میں بٹھا دینا آپ کا نمایاں وصف ہے۔طلباء کے لیے شفقت و محبت اور ایثار و ہمدردی کا پیکر ہیں۔مطالعہ اور درس کی پابندی میں چٹانوں جیسے سخت جان ہیں اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے سینے میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں ذکر و عبادت اور تنہائی میں انابت الی اللہ سے والہانہ تعلق اور خاص شغف رکھتے ہیں۔ آپ کی ہر سانس، دل کی ہر دھڑکن دین الٰہی، دین الٰہی کے طلبگاروں اور عوام کی خیر خواہی کے لئے وقف ہے۔شجاعت وحمیت، شرافت و مروت، سخاوت و وسعت ظرفی، فیاضی اور رحمدلی، عفو و درگزر کم گوئی، رہن سہن میں سادگی و بے تکلفی، فضول مشاغل سے اجتناب اور ہر لمحہ کام کی دھن ان کی زندگی کے نمایاں اوصاف ہیں۔خوش خلقی، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ہم کلام ہونا اور نرم مزاجی ان سب میں نمایاں ہیں۔

یہ شعر آپ پر تمام تر سچا اترتا ہے:

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

آپ جامعہ ڈابھیل کے فاضل، جامعہ ڈابھیل کے قاضی ومفتی، حضرت مولانا قاری مقری احمد اللہ صاحب کے چنندہ قاریوں میں سے ایک قاری ہیں، فقہ اصول فقہ اور دوسرے علوم سے خوب واقف ہیں، کافی برسوں سے صحاح ستہ میں سے سنن ابن ماجہ پھر اس کے بعد سنن ابی داؤد (مکمل) کے بہترین اور کامیاب مدرس ہیں۔طلباء میں کا سبق کافی پسند کیا جاتا ہے۔عیش وعشرت سے دور لذات سے کنارہ کش ہیں، آپ کی کد و کاوش، مطالعہ، افہام وتفہیم میں تسہیل کے بارے میں غور وفکر اور طلباء کی خیر خواہی اور عوام کی نگہداشت سے عبارت ہے۔، اپ دین داروں سے محبت کرتے ہیں، آپ کی طرف متوجہ رہنے والا آپ کے برکات سے مستفیض ہوئے بغیر نہیں رہنا اور آپ کے گھر آنے والا ضیافت اور خاطر خواہ خاطر تواضع سے محروم نہیں رہتا۔

تصنیف و تالیف کا صاف شفاف محققانہ و مدققانہ ذوق رکھتے ہیں، کچھ تالیف منظر عام پر آچکی ہیں اور کچھ تحقیقات مسودات کی شکل میں حضرت کے پاس محفوظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت قاضی صاحب کی ذات سے ان کے علوم وتحقیقات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک بڑا احسان: عربی چہارم میں راقم الحمد للہ تمام کتابوں کی تکرار کرانے لگا تھا، تمام کتابوں

کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا تھا، زبان بھی کچھ چلنے لگی، مافی الضمیر کی ادائیگی کچھ آسان ہوئی۔ رات کو جاگ کر سنجیدگی سے محنت کرنے لگا، لگ کر مداومت کے ساتھ محنت کی جو رنگ بھی لائی اور سالانہ میں میرا چوتھا نمبر آیا، پہلی مرتبہ میرے اتنے اچھے نمبر آئے تھے، لیکن افسوس بھی تھا اس بات کا کہ صرف، نحو، منطق کی بنیادی کتابیں جو عربی اول و دوم میں پڑھائی جاتی ہیں وہ ناپختہ تھیں، ان میں بہت کمزوری تھی جو حل کتاب کے وقت محسوس ہوتی تھی کہ نور الانوار کا ایک صفحہ کا مطالعہ (پرانی کتاب کا) آدھے گھنٹہ میں ہوتا تھا۔

تعطیلات میں مدرسہ: لہٰذا اس کمزوری کے پورا کرنے کے لیے میں نے یہ ارادہ کیا کہ اس چھٹی میں مدرسہ ہی میں رہ کر ان فنون کی کتابوں کو دوبارہ پڑھا جائے۔

اکیلے چھٹیوں میں مدرسہ میں رہنا اور پڑھنا دشوار تھا، اس لیے اب دو کام میرے پیش نظر تھے ایک تو کچھ ساتھیوں کو اپنے ساتھ رہنے کے لیے تیار کرنا اور دوسرا استاذ کے پاس پڑھنا ہے ان کا انتخاب کرنا اور ان کو تعطیلات میں پڑھانے پر آمادہ کرنا۔

چنانچہ میں نے اپنے اس ارادہ کا اظہار مدثر احمد آبادی سے کیا اور اس سے آمادگی چاہی وہ تیار ہو گئے، ہمارے ایک اور ساتھی عمران ٹکولی وہ بھی تیار ہو گئے، وصی بمبوی بھی جو دو سال پیچھے تھے وہ بھی تیار ہو گئے۔ پھر استاذ کا بھی انتخاب کر لیا اور وہ تھے حضرت مولانا قاری مفتی قاضی حفظ الرحمٰن صاحب سملکی یوں میری زندگی میں ان کی شروعات ہوئی، پھر انھوں نے احسانات کی بارشیں برسائی، محبت کی، شفقت کی، رہنمائی کی، صلاحیت نکھاری، ہمت دلائی اور قیمتی مشورے سے نوازا۔ ان سے جتنا مستفید ہوا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

تعطیلات میں پڑھنے کے سلسلے میں سب سے پہلے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے مشورہ کیا، حضرت نے استفسار فرمایا، کس کے پاس پڑھو گے؟ میں نے کہا مفتی حفظ الرحمٰن صاحب سملکی کے پاس، فرمایا: اگر وہ راضی ہوں تو پڑھ لو۔

پھر میں ایک عاجزانہ درخواست بہترین پیرائے میں لکھ کر حضرت مہتمم صاحب کے پاس گیا، مہتمم صاحب نے پڑھی اور کہا کیا مفتی حفظ الرحمٰن صاحب تیار ہیں، میں نے کہا ان سے ابھی پوچھا نہیں ہے، فرمایا کہ پوچھ لو اور پڑھ لو۔

ہم شکریہ ادا کر کے آئے اور کچھ دن بعد مشفقی و محترمی قاضی مفتی حفظ الرحمٰن صاحب کے

پاس گئے، انھوں نے سن کر کہا: کیا حضرت اور مہتمم صاحب کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ میں نے کہا: جی، فرمایا: تو نے تو پوری طرح پھنسا دیا یحییٰ! اور برغبت تیار ہوئے اور خوشی کا اظہار فرمایا۔

تعطیلات میں نظام تعلیم:

بہر حال سال ختم ہوا تمام طلباء گھر کو روانہ ہو گئے ہم چار طلباء چھٹی کے دن شام کو حضرت قاضی صاحب کے پاس گئے انھوں نے یہ ترتیب بنائی کہ نحو میں شرح ملا جامی پڑھیں گے جو بخاری شریف جلد اول جیسی ضخیم ہے، اور شرح ابن عقیل کی ابتدائی بحث اور اصول فقہ میں اصول الشاشی کی عربی شرح فضول الحواشی وہ بھی تقریبا ۴۰۰/ صفحہ کی تھی۔ اور علامہ شامی کی عرف پر ایک کتاب تھی وہ بھی پڑھیں گے پھر ۵۰ دنوں میں یہ سب کتابیں پڑھائی۔ اتنی کتابیں اس قلیل مدت میں پڑھانا نہایت تعجب کی بات ہے، قاضی صاحب جیسا بلند ہمت شخص ہی کر سکتا ہے۔

ہم کو ۷:۳۰ بجے سے لے کر ۱۱:۳۰ بجے تک پڑھاتے، پھر ۳:۰۰ بجے سے ۵:۰۰ بجے تک اور بعد مغرب بھی درس دیتے اس طرح جاں فشانی سے قاضی صاحب نے پڑھایا، اللہ تعالیٰ ہی اس کا بدل ان کو عطا فرمائے۔

ان ۵۰/ دنوں میں اتنی ضخیم اور مشکل کتابوں کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مفتی قاضی حفظ الرحمٰن صاحب کے محنت کے نتیجہ میں عربی کتابوں کا حل کرنا آسان ہو گیا، وہ نورالانوار کا ایک صفحہ جو میں آدھے گھنٹے یا ۴۰/ منٹ میں حل کرتا تھا اب دس منٹ میں حل ہونے لگا۔ عربی کتابوں سے جو وحشت تھی وہ دور ہو گئی، ایک نیا حوصلہ ملا، ہمت بلند ہوئی کہ عربی کی کوئی بھی درسی کتاب الحمد للہ حل کر سکتا ہوں۔

ایک مجلس کا تذکرہ

حضرت قاضی صاحب یعنی مفتی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سملکی جب بھی ان کے پاس جاؤ کچھ اہم بات سیکھنے ملتی ہے، آج دورۂ تفسیر کے گھنٹہ کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی، دار القضاء میں بیٹھتے ہی ایک احمد آباد کے فاضل مفتی تشریف لے آئے اور انھوں نے اطلاع دی کہ ہمارے ساتھ اسی/۸۰/ حضرات آئے ہیں، جو مختلف دنیوی شعبوں سے وابستہ ہیں، ہم نے بالغان کا دوسالہ نصاب شروع کیا ہے، جس کو ہم سنیچر اور اتوار کو پڑھاتے ہیں، قاضی صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور مجھے یہ کہتے ہوئے بالکلیہ آنے والے فاضل کی طرف متوجہ ہوگئے کہ یحییٰ جلدی تو نہیں ہے نا؟

آپ نے ان سے پوچھا اس حال میں کہ آپ کا چہرہ مارے خوشی کے کھل رہا تھا، اور آپ کا شوق دیدنی تھا: کہ ان کو کیا کیا پڑھاتے ہو؟

کہا کہ عقائد، مسائل، ریاض الصالحین سے احادیث، تاریخ، اردو عربی۔

آپ نے کہا بہت اچھا سلسلہ ہے، اس کو جاری رکھنا چاہیے، پودوں کو پانی ملتا رہے گا پودے سرسبز رہیں گے۔

آپ ان کو جاری رکھنے کی ترغیب دے رہے تھے اور حوصلہ افزائی کر رہے تھے، مجھے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب مدظلہ کے درس میں پڑھی ہوئی وہ حدیث یاد آرہی تھی جو شمائل ترمذی میں حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق ہے: وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ، وَيُحْسِنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوهِيهِ. یعنی: لوگوں کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ آج کسی چیز کا رواج ہے؟ لوگ کن چیزوں کا شوق رکھتے ہیں؟ کن چیزوں کی طرف جارہے ہیں؟ لوگوں کے حالات، معاشرے اور سوسائٹی کے حالات سے واقفیت رکھتے۔

ویحسن الحسن ویقویہ: (اچھائی کی اچھائی بیان کرتے اور اس کو مضبوط فرماتے) اور لوگوں میں، سوسائٹی میں جس اچھی بات کا پتہ چلتا، مثلاً: کسی نے بیماروں کی مدد کرنے کی کمیٹی بنائی، اور حضور ﷺ کو اس کا پتہ چلتا کہ یہ ہو رہا ہے، تو نبی کریم ﷺ اس اچھی بات کی تحسین کرتے تھے اور اس کو سپورٹ کرتے، تقویت دیتے۔ سوسائٹی میں، کالونی میں، سماج میں اچھا کام اگر ہو رہا ہے مثلاً کچھ لوگ مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے محنت اور کوشش کر رہے

ہیں، کچھ لوگ لوگوں کو نمازی بنانے کی محنت کر رہے ہیں، کچھ لوگ بیماروں کا علاج و معالجہ کر رہے ہیں؟ اس کے علاوہ کوئی اچھا کام جاری ہو تو ان باتوں کی تحسین کرنا چاہیے اور ان کو سپورٹ کرنا چاہیے، تا کہ ایسی چیزیں اور وجود میں آئیں۔

ویقبح القبیح و یوھنہ: (برائی کی برائی بیان کرتے اور اس کو کمزور فرماتے) ہمیں بھی اس کی ضرورت ہے، مثلاً ہمارے سماج میں کچھ لوگ ٹیلی ویژن لوگوں کو دکھلا رہے ہیں، یا کچھ لوگ جو اکھیلتے ہیں، کچھ زنا میں مبتلا ہیں، اور کچھ فحش کام کر رہے ہیں، سماج میں کوئی بھی گناہ کا ہونا تحقیق سے پتہ چل جائے تو فوراً نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس برائی کا برا ہونا واضح کرنا چاہیے، کہ یہ غلط کام ہے، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ (محمود الخصائل)

قاضی صاحب نے فرمایا میری ایک تاکیدی رائے ہے آپ اپنوں کے سامنے رکھ دینا کہ ان لوگوں کو گناہ سے بھی واقف کرائیں ''الزواجر'' ابن الحجر ہیثمی کی ہے ان میں سے کچھ کچھ گناہ درساً بتانا چاہیے۔ گناہوں کی قباحت اور برائی برابر بیان کرتے رہنے سے ضمیر بنے گا۔

اور ہاں دوسال بعد ان کو کوئی سند نہ دینا اور اس بات کی بھی حوصلہ شکنی کرنا کہ دوسالہ کورس کو مکمل کرنے کے بعد کوئی مدرسہ میں عربی سوم میں داخلہ لے لے۔

یقیناً یہ آپ لوگوں کی قربانی ہے کہ آپ تعطیل کے ایام میں ان لوگوں کی تعلیم کے لیے تگ و دو کرتے ہیں، میں تو کہتا ہوں عالم کو ڈبل محنت کرنا چاہیے اپنے آپ کو پورا نچوڑ دینا چاہیے، زمین کے اوپر کام کام اور زمین کے نیچے آرام۔

مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہ یحییٰ میں نے ممبئی میں بھی اس طرح کی فکر کرنے کی کوشش کی ہے ایمن وغیرہ کو کہا ہے وہاں بھی ایسا کچھ کرنا چاہیے، مساجد میں دروس القرآن و الحدیث ہونا چاہیے، مجھے پتا ہے وہاں کہ شڈول تھوڑا ٹائٹ ہے، لیکن یحییٰ کچھ کرنا چاہیے۔

میں نے آنے کا اپنا مقصد بتایا کہ میرے جو دو بچے حفظ میں ہیں، حفظ کے بعد اسکول پڑھنے پر بضد ہیں اور میں ان پر زور و جبر کرنا نہیں چاہتا، مجھے کیا کرنا چاہیے؟

آپ نے گہری سوچ اور پختہ لہجے میں فرمایا کہ یحییٰ بچے اپنے کچے دماغ سے کچھ سوچ کر کہیں اور آپ انھیں دینی تعلیم ہی میں لگا کر رکھیں یہ زور و جبر کرنا نہیں ہے یہ ان کے ساتھ خیر خواہی ہے، میں چاہتا ہوں آپ کی نسل میں علم باقی رہے، اس لیے جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کرنا۔

میرا بیٹا ''عبد اللہ'' جب اس کی میٹرک ہوئی تو اس کے اسکول کے ٹیچر گھر پر آئے اور کہا کہ اس لڑکے کو ڈاکٹر بناؤ، یہ بہت ہوشیار ہے ہمیں سملک میں ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔

میں نے ان کو کہا: ہوشیار بچے صرف ڈاکٹری کے لیے درکار ہیں کیا؟ کیا عالمیت کے لیے ہوشیار بچوں کی ضرورت نہیں ہے ، ڈاکٹری کے لیے تو دوسروں کے بچے بھی مل جائیں گے ہمارے بچوں کو علم دین ہی کے لیے چھوڑ دیں۔ اور میں نے اپنے بیٹے کو جس کے دل میں بھی ڈاکٹر بننے کے جذبات جڑ پکڑ چکے تھے کہا: چپ چاپ فارسی اول میں بیٹھ جاؤ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔اور اب وہ دورۂ حدیث میں ہے۔ (ماشاءاللہ)

مجھے کہا کہ یحییٰ اگر میرے سو بچے ہوں تو سو کے سو کو عالم بناؤں گا!

اتنی پختگی اور دل کے یقین کے ساتھ زور دے کر کہہ تھے قاضی صاحب۔میں سوچ رہا تھا کہ اتنا اذعان و احتساب قاضی صاحب لاتے کہاں سے ہیں۔یقیناً جس نے علم کی حقیقت کو پالیا ہو، اور اپنے دل کو بزرگوں کی صحبت سے سنوار لیا ہے وہ کچھ اس طرح کا ہی یقین و ایمان کا مزہ چکھتا ہے۔

دو اساتذہ کی دو دو مثالیں: هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ.

یہ تمام لوگوں کے لیے واضح اعلان ہے اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت۔

فرمایا کہ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے قرآن نصیحت کا سامان ہے، جیسے کوئی آدمی تہہ خانے میں بیٹھ جائے اور سورج کی روشنی آنے کے تمام دروازے بند کر دے اور کہے کہ ہم کو تو سورج کی روشنی سے کچھ فائدہ ہی نہیں ہوتا اور لوگ کہتے ہیں کہ سورج کی روشنی بڑی کام کی ہے! تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ سورج کی روشنی مفید ہے اس شخص کے لیے جو سورج کی روشنی سے فائدہ حاصل کرنا چاہے۔

اسی طرح کوئی حکیم کی دوا استعمال نہ کرے اور کہے کہ حکیم کی دوا غیر مفید ہے۔ لہٰذا اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ (حضرت مولانا رشید احمد صاحب سلوڑی رحمۃ اللہ علیہ)

فرمایا: جیسے سورج کی روشنی کپڑے پر بھی پڑ رہی ہے اور دھوبی کے چہرے پر بھی پڑ رہی ہے لیکن کیا بات ہے کہ اس سے کپڑا سفید و اجلا ہوتا ہے اور دھوبی کا چہرا سیاہ۔

اور جیسے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی آم کے درخت پر بھی پڑ رہی ہے اور نیم

کے درخت پر بھی۔ کیا بات ہے اس سے آم میں مٹھاس آرہی ہے اور نبولی میں کڑواہٹ۔
درحقیقت بات یہ ہے: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا.
یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔ (حضرت مولانا مفتی حفظ الرحمن صاحب سمکلی دامت برکاتہم)

چیٹ جی پی ٹی (Chat GPT): حضرت مفتی قاضی حفظ الرحمٰن صاحب سمکلی دامت برکاتہم نے سنن ابن ماجہ کے درس میں یہ فرمایا تھا:

زیر تدریس یہ حدیث تھی: إِنَّ اللهَ لا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انتِزَاعًا يَنتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں کے دلوں سے اچانک کھینچ لے، بلکہ علم کو علماء کے اٹھ جانے (وفات پانے) کے ذریعے قبض فرمائے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے، ان سے مسائل پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

قاضی صاحب نے فرمایا کہ اہل علم فوت ہو جائیں گے علم اٹھالیا جائے گا لوگ ناواقفوں، نادانوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ قاضی صاحب نے فرمایا مجھے لگتا ہے ان ناواقفوں، نادانوں میں سے ایک ''گوگل'' بھی ہے۔ آج کل لوگ مسائل اس پر تلاش کرتے ہیں۔ (ممکن ہے قاضی صاحب نے یہ بات برائے مزاح فرمائی ہو۔)

باوجود عقیدت کے میں اس بات کو قبول نہیں کر پا رہا تھا کیوں کہ ''گوگل'' سے استفادہ میں بھی کرتا تھا اس میں تو ''ویب سائٹ'' ہوتی ہیں۔ ہاں عوام کے لیے گوگل کرنا پرخطر ہوسکتا تھا کیوں کہ ان کو ویب سائٹ کی اعتباریت کا علم نہیں ہوگا وہ غیر معتبر ویب سائٹ سے فتوی وعلم لے کر گمراہ ہوسکتے ہیں۔ البتہ کے لیے مفید ہے۔

لیکن اب کسی نے اسی گوگل کے بڑے بھائی ''Chat GPT'' سے روشناس کرایا ہے۔ یہ فتوی نکالتا نہیں ہے بلکہ فتوی دیتا ہے۔ یہ مضمون نقل نہیں کرتا بلکہ اپنی فیچر اور سوجھ بوجھ سے مضمون بناتا ہے۔ کسی حدیث کا لفظی ترجمہ کرتا ہے، کبھی بہت پختگی کے ساتھ صفحہ اور جلد کی تعیین کر کے

احناف کی کتب فقہ سے غلط حوالے بھی دیتا ہے۔

میں نے اس پر لکھا کہ جلالین اول کا پرچہ بنایئے تو علی الفور ایک سوالیہ پرچہ بن کر آجاتا ہے، اور پوچھتا ہے: اگر آپ کہیں کہ جواب بھی لکھ دوں تو یہ خدمت بھی میں انجام دے سکتا ہوں۔

گویا یہ ایک انسان ہے جو آپ سے باتیں کرتا ہے۔ میں نے کہا: ''میری بیوی بھاگ گئی کیا کروں؟'' تو مفید مفید مشورے دے رہا ہے، میں نے بعض خواتینِ زمانہ کی نامناسب کارگزاری لکھ کر بھیجی اور کہا کہ اس مضمون کا تجزیہ کریں تو پورے مضمون کا پل بھر میں تجزیہ کر دیا کہ اس کے اندر یہ نہیں ہونا چاہیے یہ ہونا چاہیے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کو میرا نام بھی معلوم ہے! میں نے پوچھا کہ آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہے؟ تو اس کہا کہ موبائل سیٹ پر آپ کا یہی نام ہے۔

خیر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید''۔ صاحب علم کی کوئی بات اٹکل پچو سے نہیں ہوتی بلکہ بصیرت اور دور اندیشی پر مبنی ہوتی ہے۔

یقیناً ایسے کچھ واقعات ان ناقص نگاہوں سے بھی گزرے ہیں جو اسی پر بھروسہ کر کے گمراہ ہو رہے ہیں بلکہ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ آج ہر چیز سوشل میڈیا پر موجود ہے خود تحقیق کر کے بینا بنو کسی کے اندھ بھگت مت بنو۔ یقیناً یہ گمراہی کی دعوت ہے۔ اور یہ اس حدیث کا ایک مصداق ہوسکتا ہے جس میں آیا ہے۔

اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.

لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے، ان سے مسائل پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

حضرت قاضی صاحب نے انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے بارے میں ایک اور بات کہی تھی کہ اس کے جہاں دوسرے نقصانات ہیں دو بڑے نقصان ہیں کہ ''اس کی وجہ سے لوگوں میں بے حیائی کا شیوع اور شکوک وشبہات کی کثرت ہوگئی ہے۔'' اور یہ بات تو طشت از بام ہے، عیاں را چہ بیان۔

اساتذہ اپنی نصیحت کو کم نہ سمجھیں: فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ.

(کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔)

ہمارے ایک ساتھی ہیں ''(قاری) احمد پاناما'' پاناما کی ایک مسجد میں امام ہیں۔قرآن اور خطبہ روانی سے پڑھ لیتے ہیں، لیکن گفتگو اور تقریر میں قدرے لکنت اور ہکلاہٹ ہے، انھوں نے سنایا کہ ۲۰۱۱ء یا ۲۰۱۲ء میں ہمارے استاذ گرامی مولانا مفتی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سملکی پاناما آئے تھے، میں نے ان کو کہا کہ ''مفتی صاحب'' میں قراءت وخطبۂ جمعہ بآسانی بغیر ہکلاہٹ کے کرلیتا ہوں، لیکن بیان و تقریر دسترس میں نہیں، اس میں بار بار زبان اٹکتی ہے۔

تو ''مفتی صاحب'' نے صرف اتنا کہا کہ ''جب قراءت وخطبہ میں کوئی دقت نہیں ہے تو جمعہ کے بیان میں بھی کوئی پریشانی اور کوئی لکنت نہیں ہونی چاہیے یہ آپ کی نفسیاتی کشمکش ہے اور کچھ نہیں، آپ بیان بھی ضرور کریں۔''

وہ وقت ہے اور اب ۲۰۲۵ء ہے میں الحمد للہ ہفتہ میں دو مرتبہ عوام سے مخاطب ہوتا ہوں، اور جواں سال نئی نسل بنیادی دین سے روسناش ہوتی ہیں، اور اب اس مہینے کے آخر میں حضرت استاذ گرامی قدر دوبارہ پاناما آرہے ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے، اب جب ''مفتی صاحب'' وہاں پہنچے ہوئے ہیں، اور قاری احمد پاناما نے مفتی صاحب کو اپنی یہ بات سنائی ہوگی تو ان کی خوشی کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت الاستاذ قاری رضوان صاحب پالنپوری دامت برکاتہم:

ایک واقعہ خود راقم کے ساتھ پیش آیا اور یہ واقعہ سنانا میں حضرت الاستاذ قاری رضوان صاحب کا اپنے پر حق سمجھتا ہوں۔

عربی سوم کے ششماہی سے ایک ماہ قبل کی بات ہے، ''قاری صاحب'' نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''تکرار کراتے ہو؟'' میں نے نفی میں جواب دیا۔ ''قاری صاحب'' نے اپنے خاص انداز میں رعب و دبدبہ کا تکلف کرتے ہوئے فرمایا ''کیوں؟''

میری طرف سے مارے خوف کے کچھ جواب نہیں تھا، پھر کہا کہ ''آج سے تکرار کرانا، ورنہ آئندہ کل سے پورا گھنٹہ کان پکڑنا۔''

کبھی تکرار نہ کرانے والے طالب علم کے لیے ایک دم سے تکرار شروع کرنا کارے دارد ہے، پھر ناقص سمجھے ہوئے سبق کی ناقص تکرار میں کون طالب علم بیٹھ کر وقت ضائع کرے گا۔

اگلا دن آیا، ''قاری صاحب'' نے یاد سے باز پرس فرمائی کہ ''تکرار کرائی تھی؟'' میں نے ششماہی امتحان کا عذر کیا کہ اب تکراروں میں دور چالو ہے اور دور کی تکرار میرے لیے دشوار ہے۔

تو قاری صاحب نے کہا: ''ٹھیک ہے، ششماہی کے بعد سے تکرار کرانا'' اور میرے ہم نشیں (مولوی) مدثر احمد آبادی کو کہا کہ ''ششماہی بعد جس دن بھی یہ تکرار نہ کرائے تو مجھے اطلاع کرنا'' بات آئی گئی ہوگئی، امتحان ہو کر ششماہی چھٹیاں بھی ختم ہوگئی، قراءت کے گھنٹہ میں ''قاری صاحب'' نے مجھے یاد دلایا کہ ''تکرار کر رہے ہو''۔

مدثر احمد آبادی کے ساتھ ہی برائے نام بیٹھنا شروع کر دیا تھا تو اثبات میں جواب دیا، لیکن پھر آہستہ آہستہ تکرار کرانے میں دل لگنے لگا، کتابوں کی تکرار ہم دونوں نے آپس میں بانٹ لی تھیں اور کوئی تیسرا ہمارے ساتھ نہیں تھا۔

اسی کی برکت تھی کہ عربی سوم ششماہی میں سولہویں نمبر سے کامیاب ہونے والے طالب علم کا عربی پنجم میں پہلا نمبر آیا۔

اب چوں کہ میری عمر کے لوگ بھی استاذ بن چکے ہیں، اس لیے میری ان اساتذہ سے گزارش ہے کہ اپنے طلبہ کی رہبری اور ان کو کی گئی نصیحت کو کم نہ سمجھیں۔ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ.

حضرت قاری رضوان صاحب کے بندے پر اس کے علاوہ کئی احسان ہیں؛ جب جامعہ ڈابھیل میں داخلہ کے لیے آیا تھا تو ناظرہ ناپختہ ہونے کی وجہ سے غیر لائق قرار دیا گیا، قاری صاحب ہی سے درخواست کی گئی، آپ نے درخواست اور بڑے بھائی کے آنسو قبول فرما کر اس شرط پر داخلہ قبول کرلیا کہ بقرعید تک ناظرہ پختہ ہو جانا چاہیے۔

عربی دوم میں قراءت کی ترتیب قاری رضوان صاحب ہی کے پاس آئی اس وقت تک نہ ہی ناظرہ پختہ ہوا تھا اور نہ ہی انداز قراءت، لہجہ اور مخارج حروف ہی صحیح تھے، قاری صاحب نے ان کمیوں کا نرمی و سختی سے مصلحت وحکمت سے پند ونصیحت سے قابل ذکر ازالہ فرمایا۔ آپ از راہ مزاح میری سست طبیعت کو دیکھتے ہوئے ''یحییٰ'' کے بجائے ''یموت'' کہتے اور فرماتے: بالکل پانی پتی لہجے میں پڑھتا ہے۔

آپ نے کچھ باتوں سے یہ اندازہ لگالیا کہ اس طالب علم میں پڑھنے کی استعداد ہے لیکن محنت نہیں کرتا ہے البتہ قراءت کے اندر پھسڈی ہے تو راقم پر اسی طرح محنت کی اور حسن قراءت، انداز قراءت، ترتیل اور تجوید کی باریکیوں سے مجھے مستثنیٰ رکھا، البتہ اس کے علاوہ درسی کتابوں پر زور دینے کی تاکید کے ساتھ ساتھ نگرانی بھی کرتے۔

یہی نرمی اس وقت آپ کی بندۂ کسلان پر رہی جب دورہ حدیث میں پارۂ عم سنانے کی ترتیب بھی آپ ہی کے پاس قرار پائی۔ آپ اس بات کی کوشش کرتے کہ پارۂ عم سنانے کی تگ و دو میں کہیں اس کی کتب حدیث میں خلل نہ پڑجائے۔ اس لیے سن کر جلد مجھے فارغ کردیا کرتے تھے، حد تو تب ہوئی جب پارۂ عم کی آخری سورت (سورۂ ناس) آپ کو سنارہا تھا اور اس میں غلطی چلی گئی۔ آپ نے اس کو بھی درگزر کردیا اور بڑے قاری صاحب کے پاس امتحان میں مجھے پہلے نمبر پر بٹھایا اور کہا کہ کسی صورت کا کچھ حصہ پکا یاد کرلینا اور جب حضرت پڑھنے کہیں تو وہی پڑھ لینا۔ آپ کے ان ہی احسانات کی وجہ سے آپ ہمیشہ یاد رہے۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ فارغ ہونے کے چند سال بعد مدرسہ فائن ٹچ میں فاضل جامعہ ہونے کی مناسبت سے قراءت و تجوید مجھ سے متعلق کی گئیں۔ ڈابھیل آمد پر قاری صاحب سے ملاقات ہوئی اور سرگزشت گوش گزار کرائی تو آپ نے اپنے پاس موجود تمام طلباء کو متوجہ کرکے میرا تعارف کرایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ یہ علم تجوید کی قراءت مع مشق کے خدمات انجام دے رہے ہیں، جب کہ پڑھنے کے زمانہ میں یہ اس فن میں کافی کمزور تھے۔

آپ اپنے طلباء کو اپنے لیے خصوصاً تین دعا کرنے کا حکم فرماتے: (۱) اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ کسی کا محتاج نہ بنائے۔ (۲) اللہ تعالیٰ مرتے دم تک پڑھنے پڑھانے کے مشغلہ میں لگائے رکھے۔ (۳) اور اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اللہ یہ دعا آپ کے بھی حق میں اور ہم سب کے حق میں قبول فرمائے۔

آمین یارب العالمین

حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم

آج حضرت الاستاذ مفتی احمد صاحب خان پوری مدظلہ العالی کے سبق میں شرکت کرنے کا موقع ملا، قریب میں ہمارے رفیق تدریس مولانا عبد اللہ پٹیل بھی تسبیح ہاتھ میں لیے تشریف فرما تھے، اتوار کے دن حضرت دامت برکاتہم ''شمائل ترمذی'' کا درس دیتے ہیں۔جس کا درس اتوار کے دن آئی ہوئی عوام کے فہم کے قریب تر ہوتا ہے، ''شمائل'' میں ''باب ما جاء فی طعام رسول اللہ ﷺ'' چل رہا تھا، درس میں دست کے گوشت ، ثرید ، کتفِ شات، حِیس ، احب الطعام الی رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ چلتا رہا۔

دوران درس میری نگاہ حضرت دامت برکاتہم کے بالکل سیدھ میں سب سے آگے بیٹھے ہوئے ایک شخص پر پڑی ،سر پر کڑک ٹوپی ، ٹوپی کی طرح لباس بھی نیل وائٹ ، سفید چمکدار کشادہ قدرے ابھری ہوئی پیشانی، جس کے نیچے آنکھوں پر سنہرا چشمہ، یک مشت گھنگھریالو داڑھی، جن پر گہرا سرخ خضاب چڑھا ہوا تھا اور عینک کا بوجھ اٹھائی ہوئی کھڑی ناک لیے ہوئے یہ شخصیت براجمان تھی۔

تدریس کی توفیق دیے ہوئے حضرات جانتے ہیں کہ اگر سبق سننے والے گردن ہلا کر سمجھ جانے کی تصدیق دیتے رہیں، سبق میں ہنسی کی بات پر مسکراہٹ سے جواب دیتے رہیں اور آنکھوں کی چمک سے اپنے ہوش باشی کی خبر دیتے رہیں تو پڑھانے کا الگ ہی لطف ہوتا ہے۔

میں نے دیکھا یہ شخص برابر پونے دو گھنٹے اسی طرح سبق سنتے رہے کہ عبارت پڑھنے کے وقت کتاب میں دیکھتے اور سبق سمجھانے کے وقت حضرت کی طرف دیکھ کر عاجزی سے گردن ہلاتے رہے، جاننے والوں کو معلوم ہے کہ حضرت دوران سبق حدیث میں آئی ہوئی کسی بات پر ہنستے ہوئے طلباء کو دیکھتے ہیں ، تو ایسی کوئی بات آتی ہے تو یہ صاحب فوراً مؤدبانہ مسکراتے گویا پورے چہرے پر خوشی دوڑ گئی ہو۔

بہت سے قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ بات چل رہی ہے '' ضاحک متبسم مفتی عبید اللہ صاحب منیار سورتی مدظلہ'' کی۔

یہ بات معلوم ہے کہ جامعہ کے چار استاذ شیخ الحدیث ہیں جو بخاری شریف جلد اول پڑھاتے

ہیں، حضرت دامت برکاتہم ''ڈابھیل'' میں۔

صاحب مکارم الاخلاق ، تواضع اور سادگی کے بحر بے کراں صدر مفتی جامعہ ڈابھیل مفتی عباس صاحب بسم اللہ مدظلہ ''کفلیتہ '' میں۔

خوش اخلاق خوش مزاج خوش بیاں خوش وضع استاذِ تفسیر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ ''بارڈولی'' میں۔

اور ہمارے ممدوح وموصوف ''سورت'' میں جلالین بھی آپ کے سپرد رہی۔

جامعہ میں آپ طحاوی شریف پڑھاتے ہیں، جن بچوں کو تیسرے گھنٹے میں طحاوی شریف پڑھاتے ہیں ان ہی بچوں کا ساتھ چوتھے گھنٹے میں محتاجِ علم بن کر شامل درس ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی سے ان کے والد کا عمل سنا تھا کہ تمام علوم کو پی کر وہ مسجد میں کبھی کسی مقرر کے سامنے یا تبلیغی بیان میں محتاج علم بن کر بیٹھتے اور ہمہ تن گوش ہوکر با آدب سنتے ، میں نے دیکھا کہ ''آپ'' بھی تقریبا دس سالوں سے اپنی مفوضہ کتاب پڑھانے کے بعد حضرت کے سبق میں با آدب طالبِ علم بن کر حاضر ہوتے ہیں اور دوزانو یا ایک زانو بیٹھتے ہیں، ہمہ تن گوش ہوتے ہیں گردن ہلاتے اور مسکراتے ہیں۔

جب ہم پڑھتے تھے اس وقت بھی قدیم فرزندان جامعہ ڈابھیل حضرت کے سبق میں شرکت کرتے اور چار زانو ہوکر بیٹھتے۔ میں دیکھتا کہ ان کے پیٹ ان کے زانوؤں پر رکھے ہوئے ہیں وہ کیسے دوزانو بیٹھ پائیں گے اور دل میں یہ ارادہ کرتا کہ میں کبھی حضرت کے سبق میں حاضر ہوؤں گا تو دوزانو ہی بیٹھا کروں گا، وقت گزر گیا میں بھی بعد از فراغت درس میں حاضر ہوا پہلے دوزانو بیٹھا پھر آہستہ آہستہ مردانہ تورک پر پھر زنانہ تورک پر آیا اور اب قدرے دوزانو بیٹھنے کے بعد ہم بھی پیٹ کو رانوں کا بوسہ دینے پر مجبور ہوگئے۔

لیکن میں نے ہمارے ممدوح کو دیکھا کہ وہ برابر دس سال سے اسی طرح سبق میں حاضر ہوتے ہیں جو اوپر ذکر کرچکا ہوں۔

سنا ہے کہ اپنے شیخ سے بہت محبت کرتے ہیں، اور دیکھا بھی ہے۔ ہم نے کتابوں میں محبت شیخ اور فنافی الشیخ کے بارے میں پڑھا ضرور ہے لیکن نہ تو اس کا کما حقہ ادراک ہے نہ ہی سمجھ سکے نہ کسی کو سمجھا سکتے ہیں لیکن میں اپنی تسلی کے لیے خود کو مخاطب بنا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر تجھ

کو ان دونوں کا مصداق خارج میں دیکھنا ہے تو ہمارے ممدوح کو دیکھ لے۔

کسی زمانے میں رمضان میں برابر خانقاہ میں آنے کا معمول تھا اور فجر کی نماز رمضان میں آپ ہی کے سپرد ہوا کرتی تھی مخارج و تجوید کے ساتھ آپ کی آواز بھی خوب صورت تھی، سورۂ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ. پر آپ کا پہلا وقف بہت عمدہ ہوا کرتا تھا۔

آپ ہمارے پہلے استاذ ہیں، ہم نے آپ کے پاس فارسی اول پڑھا ہے، گھر سے دوری کے پہلے سال میں ہمارا صرف ''آپ'' ہی کے گھنٹے میں دل لگتا تھا، جس دن آپ نہیں آتے تو وہ دن بڑا اداسی والا گزرتا، واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے گھر کی دوری ''آپ'' کے چہرے کو دیکھتے رہنے سے پوری کرتا۔

آپ طلباء پر بڑے شفیق تھے اور ماورائے دفتر چھٹی دینے میں پسند کیے جاتے تھے، ہنستے تھے ہنساتے تھے اور پڑھاتے تھے، فارسی کے قواعد کو ازبر یاد کرانے سے زیادہ سمجھانے اور فارسی کے تمرین پر زیادہ زور صرف فرماتے، ہمارے کچھ ساتھی قواعد کا مفہوم سناتے آپ وہ بھی سن لیا کرتے۔

فارسی کے مبتدی طلباء ہی کو ان کی سطح ذہنی کے مطابق خارجی کتابوں کے مطالعہ کی تلقین فرماتے، فرماتے کہ استاذ سبق میں اپنے علم کا صرف دسواں حصہ بولتا ہے آپ کو مزید ۹۰ حصہ خود کے مطالعہ سے حاصل کرنا چاہیے۔

اور یہ بھی فرماتے کہ کوئی کتاب پڑھوں تو از اول تا آخر مکمل پڑھو، اور بغیر سمجھے کسی بات کو گزرنے نہ دو۔ اور اپنی ذاتی کتابیں خریدنے کی تاکید کرتے۔ چناں چہ ان کی رہنمائی کے مطابق میں نے فارسی اول ہی میں بہت سی کتابیں دیوبند سے منگوائی اور کچھ کو مکمل پڑھ لیا تھا، جیسے ''اسوۂ رسول اکرم ﷺ'' اصلاحی خطبات کی پہلی جلد۔

فارسی اول میں پڑھا کر کچھ وقت بچا رہتا اس میں آپ خود خارجی مطالعہ کرتے، میں نے دیکھا آپ ایک عربی کتاب ''الطریق الی المدینۃ المنورۃ'' کا مطالعہ کر رہے ہیں وہ بھی بندے نے دیوبند سے منگوا کر رکھ لی تھی کہ جب عربی آئے گی تو پڑھیں گے، آج تک نہ عربی آئی اور نہ ہی وہ کتاب پڑھ سکا۔

آپ کے مزاج میں ظرافت خوب ہے، اوپر کی درس گاہوں میں حضرت الاستاذ چاسوی

صاحب دامت برکاتہم ہنساتے تھے اور نیچے کی درسگاہ میں ہمارے ممدوح۔ لگتا تھا کہ آپ اپنے استاذ حضرت چاسوی سے زیادہ متاثر تھے۔

اب آپ کو کئی علوم میں دسترس حاصل ہوچکی ہے کئی کتابیں آپ پڑھا چکے ہیں، حاضر جواب تو آپ پہلے ہی سے ہیں، مسکت جواب دے کر لاجواب کرنے میں آپ لاثانی ہیں۔ فارسی کے سال میں غالبا علوم وفنون میں دسترس حاصل کرنے کی نصیحت کے دوران فرمایا کہ میں آج تک لاجواب نہیں ہوا الا یہ کہ سامنے کوئی بڑا ہو اور ادب اختیار کرنا پڑے۔

ان بعض بیانات سے جو واٹس ایپ پر موصول ہوتے رہتے ہیں قرآن وحدیث میں آپ کی گہرائی اور گیرائی کی اور اپنے شیخ کی چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے، میں نے بذات خود جامعہ کے دورۂ حدیث کے طالب علم سے معلوم کیا ماشاءاللہ وہ بھی ہمارے ممدوح کے پڑھانے کے طور طریق، افہام وتفہیم پر مطمئن وخوش ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جامعہ ڈابھیل اور میرے پہلے استاذ:[1] آج بندہ جامعہ کے لیے پابرکاب ہے، میں اپنی یادوں کو ماضی کی طرف لوٹاؤں تو سخت جنوری کے کڑاکے کی سردی میں بغیر جرسی کے مروالی اسٹیشن پر اپنے آپ کو پاتا ہوں۔ اپنے بھائی کے ساتھ ڈابھیل جانے کے لیے کسی سواری کو تلاش کرتے ہوئے۔ ہماری طرح کئی اور لوگ تھے۔ مارے سردی کے بجتے ہوئے دانتوں کے ساتھ کھڑ کھڑاتی ہوئی بوسیدہ بس میں سوار ہوئے۔ ٹی سی نے بغیر ٹکٹ دیے پیسے لے کر ڈابھیل اتار دیا۔

علی الصباح فجر سے قبل کا وقت تھا کتب خانہ اور اطراف کی عمارتیں نظر نہیں آرہی تھیں، مسجد کے حوض پر بیٹھ کر میں نے یہ منظر دیکھا کہ طلباء نوم و تیقظ کی ملی جلی کیفیت لیے مسجد کی طرف آرہے ہیں۔ نماز فجر کی قراءت میرے لیے نئی تھی اور حسن قراءت کے جانچنے کے معیار سے میں ناواقف تھا، سرسری طور پر مکتب سے گزر کر ناظرہ پڑھے بغیر جامعہ آ گیا تھا۔

فجر کے بعد صبح اپنی مدھم روشنی کے ساتھ نمودار ہوچکی تھی، دار القرآن، دار الحدیث، کتب خانہ، مطبخ و بورڈنگ کی عمارتیں، وسیع راستے اور تین کشادہ میدان سورج کی ہلکی کرنوں میں جنت نظیر معلوم ہورہے تھے۔

---

(۱) اجلاس صد سالہ سے ایک دن پہلے کی تحریر۔

میں ممبئی سے دہ در دہ کے ڈربے سے اٹھ کر یہاں آپڑا تھا، میرے بھائی نے کہا تو تو جھونپڑوں سے بلڈنگوں میں آ گیا۔ لیکن میرے لیے میرا جھونپڑا ہی عزیز تھا کیوں کہ میرے اپنے وہاں تھے، یہاں اجنبیت محسوس ہو رہی تھی، مجھے آزادی پسند تھی اور یہ مدرسہ یہاں کے طلباء کو اپنے ایک مضبوط نظام میں باندھ دیتا ہے، مجھے بے راہ روی پسند تھی یہ راہ راست اور اچھی عادتوں کا خوگر بنا دیتا ہے۔ یہ مدرسہ نہیں بلکہ انسان بنانے کی فیکٹری ہے۔ یہاں سے لوگ ایمان و احسان، غم گساری و خاکساری، انصاف پسندی و انسانیت نوازی لے کر میدانِ عمل میں نکلتا ہے۔ لیکن میری سوچ ان خوبیوں سے پرے غفلت کا شکار تھی۔ بہر حال میں داخلہ لے کر فارسی اول میں اپنے پہلے استاذ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب منیار سورتی مدظلہ العالی کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپ خوش وضع اور خوب صورت تھے إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ. کے بموجب اعلی معیار کے کپڑے، ٹوپی اور عینک زیب تن فرماتے۔

عطر کی پسند میں بھی آپ کا ایک الگ معیار تھا، کوئی کیمیکل والا التا بلتا عطر لگا کر آتا تو مزاحیہ انداز میں نکیر کرتے کہ مسکراہٹ طلباء کے چہروں پر سج جاتی۔ اور نام لے کر کہتے کہ ''عود، شامہ، مخاط، اور کچھ عطور گلاب'' لگانا چاہیے۔ اسی وقت سے ہماری طبیعت بھی اسی طرح کے عطور کو پسند کرنے لگی۔

شب اول میں بھی عود اصلی بدن پر لگایا تھا حال یہ تھا کہ مجھے مہندی کی اور انھیں عود اصلی کی خوش پسند نہیں آئی، بہر حال اس رات کا پروسیسر جیسے تیسے پورا ہوا۔

آپ نہایت خوش مزاج اور مزاحیہ طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی مجلس میں بیٹھتے ہی بوجھل پن اور گھبراہٹ دور ہو جاتی۔ وہ کبھی سبق کے دوران دلچسپ لطیفے سنا دیتے، کبھی طلبہ کی عام سی غلطی کو بھی اس انداز سے درست کرتے کہ سب مسکرا اٹھتے۔ یہی ان کا خاص کمال تھا جس سے مشکل سے مشکل سبق بھی آسان اور یادگار بن جاتا۔

آپ کبھی کبھی کانوں میں رس گھولتے ہوئے ایسے مزاحیہ الفاظ بول جاتے ہیں کہ جب یاد آتے ہیں ایک تازگی آجاتی ہے۔ جب بندہ چہارم کے بعد چھٹیوں میں قاضی صاحب کے پاس نحو کی مختلف کتابیں پڑھ رہا تھا، صبح و شام نحو ہی میں بسر ہوتے تھے تو خانقاہ سے گھر جاتے وقت مجھ سے پوچھا کہ ''انصاری کیا پڑھ رہے ہو؟'' میں نے شرح ملا جامی، شرح ابن عقیل وغیرہ کا نام لیا

تو کہنے لگے ”تب تو سیبو یہ خواب میں آتے ہوں گے۔“ میں سوچ سوچ کر کافی دیر تک ہنستا رہا۔

ایک مرتبہ جب میں نے اپنے بچوں کو ڈابھیل میں داخلہ کروایا تو متعجبا کہنے لگے ”ارے ابھی میرے بچے ڈابھیل میں نہیں آسکے تمہارا ماڈل یہاں آ گیا! پڑھنے کے زمانے میں نکاح کرلیا تھا کیا؟“

عربی سوم میں ترجمہ قرآن بہت آسان کرکے پڑھاتے اور آپ کا سورۂ رحمن و سورۂ واقعہ کا درس تذکرۂ حور کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا ہے۔ حجرات کے بعد ہی سے طلباء سورۂ واقعہ کا انتظار کرتے۔

حکایات لطیف ہر سال بذات خود پڑھاتے، اور طلباء کے قہقہوں سے درس گاہ گونج جاتی، ہمارے سال حضرت مولانا قاری عبد الحنان صاحب تشریف لے آئے اور اکثر کتاب انھوں نے پڑھائی تھی۔

بارڈولی کے ایک بڑی عمر کے صاحب تھے ان سے کہا کرتے کہ یہ دوست بنانے کے لائق ہیں لیکن طالب علم سے دوستی نہیں کرنی چاہیے۔ کوساڑی کی عجیب و غریب حرکتیں دیکھتے اور ہنستے رہتے۔ زکریا پر علامہ چاسوی کی وجہ سے خوب عنایت کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حفظ و اتقان سے بھی وافر مقدار عطا فرمائی تھی چناں چہ ہمیں علامہ انور شاہ کشمیری کے خوب واقعات سناتے اور فرماتے کہ وہ کوئی بات پڑھ لیتے تو چالیس سال تک نہیں بھولتے تھے اور میں جو بات پڑھ لیتا ہوں پانچ سال تک نہیں بھولتا۔

سبق کو سمجھ کر یاد کرنے پر زور ڈالتے ہوئے فرماتے کہ تم علامہ کشمیری تھوڑا ہو، یاد کیا ہوا بھول جاؤ گے اور سمجھا ہوا محفوظ رہے گا۔

چاسوی صاحب سے لگاؤ کی وجہ سے احمد آبادیوں سے بھی دلچسپی تھی اور ان کے بخل کے واقعات سناتے۔ فرمایا کہ ٹرین میں ایک صاحب نے کسی سے پانی طلب کیا، اس نے نہیں دیا، کچھ دیر بعد خود پانی پیش کیا تو طلب کرنے والے کے دریافت کرنے پر کہا کہ اس وقت باہر سے احمد آباد جارہا تھا (اس کی آب و ہوا کا اثر تھا) اب اس کی حدود ختم ہوگئی ہیں۔ فرمایا کہ ایک کتاب ہے ”کتاب البخلاء“ اس میں بخیلوں کے انوکھے واقعات تحریر کیے ہوئے ہیں۔

علامہ کشمیری کا یہ واقعہ بھی شاید انہی سے سنا ہوا ہے کہ وہ ایک ٹرین میں سفر کر رہے

تھے، دو انگریزوں کی آپس میں تکرار ہوئی، ان کا یہ معاملہ عدالت پہنچا، کوئی اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں علامہ کشمیری کو طلب کیا گیا، انھوں نے دونوں انگریزوں کی باتیں لفظ بلفظ نقل کر دیں۔ جب کہ آپ کو انگریزی زبان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ فرمایا کہ وہ بازار میں نکلتے تو کانوں میں روئی ڈال کر نکلتے کہ مبادا کوئی غیر شائستہ بات کانوں میں پڑ جائے اور وہ یاد رہ جائے۔

فرمایا کہ بچوں کو اپنا ذاتی مطالعہ ڈالنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور خارجی اوقات میں اسوۂ رسول اکرم ﷺ پڑھنے کی تاکید کرتے اور خود بھی زائد وقت میں خارجی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔

آپ محبت سے کھیلتے کھیلتے پڑھانے پر یقین کرتے تھے، آپ کی طبیعت ہی میں نرمی تھی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو غصہ نہیں آتا تھا۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی طالب علم کو مارا ہو نہ ہی آپ اپنے پاس چھڑی رکھا کرتے تھے، ہاں ایک مرتبہ ایک طالب علم نے قاری عبد الحنان صاحب کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ کیا تھا اور درسگاہ کے باہر کھڑے ہو کر بالقصد گانا گایا تھا تو چھڑی منگوا کر خوب تنبیہ کی تھی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب سے اور جامعہ سے خوب لگاؤ رکھتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ سوچ لیا ہے کہ جامعہ سے (تدریسی) لگاؤ رکھنا ہے چاہے کم وقت کے لیے ہو۔

فرمایا کہ مہتمم صاحب نے مجھ کو کہا کہ دیکھو گاؤں میں کتنا سکون ہے، کشادہ مکان عمدہ پکوان یہاں آ کر کیوں نہیں رہتے تو فرمایا: میں نے دل میں کہا آپ شہر میں آ کر رہیں تو معلوم ہوگا کہ شہری دیہات میں آ کر کیوں نہیں رہتے۔

ایک طالب علم کی فراغت کے موقع پر تمام اساتذہ کی درسگاہ میں لفافے آئے، آپ نے ہنستے ہوئے یہ کہہ کر رکھ لیے کہ چلو جمعرات کا انتظام ہوگیا۔

داخلہ لینے کے بعد پہلی ہی جمعرات آئی تھی اور مجھے گھر جانا تھا، جمعرات کی دوپہر میں آپ نے فرمایا کہ دیکھو ایک بہت بڑے بزرگ جمعہ کی شام میں آنے والے ہیں حضرت پیر ذوالفقار نقشبندی مدظلہ۔ سنا ہے کہ لوگ ان کے بیان میں چیخیں مار کر روتے ہیں، اس لیے قریب والے جو بھی گھر جانے والے ہوں وہ شام تک آجانا۔

لہٰذا میں گھر گیا اور مغرب تک آ گیا اور پیر صاحب کے بیان میں گھر کو یاد کر کے خوب رویا۔ اور

بھی بہت سی حضرت مفتی عبید اللہ صاحب کی یادیں ہیں جو یادداشت سے کبھی محو نہیں ہوسکتیں۔

آج جب جامعہ، علامہ کشمیری و رفقاء کی احسان مندی کے طور پر صد سالہ اجلاس کا انعقاد کر رہا ہے اور میں اسی کے لیے درسفر ہوں، مجھے بھی آج اپنے محسنین یاد آرہے ہیں یقیناسب کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا اس لیے میں نے اپنے اس سفر کو اپنے محسن اول، پہلے استاذ اور جامعہ ڈابھیل کے نام کیا۔ جامعہ ڈابھیل کس چیز کا نام ہے انہی اساتذہ اور ارباب اہتمام کا نام ہے۔ اگر ہم اپنے استاذ کا تذکرہ کر رہے ہیں تو درحقیقت وہ جامعہ ڈابھیل کا تذکرہ ہے۔

میں نے ان سے صرف ''فارسی اول'' کے چند ابواب نہیں پڑھے بلکہ اصل میں پڑھنے کا شوق اور ذوق پایا۔ ان کی فہمائش کا مقصد یہ تھا کہ پڑھائی محض کتاب ختم کرنے کا نام نہیں بلکہ علم کو دل و دماغ میں بٹھانے کا عمل ہے۔ ان کے خوش اخلاق اور مزاحیہ رویے نے مجھے یہ احساس دلایا کہ تعلیم اگر شوق سے حاصل کی جائے تو کبھی بوجھ نہیں لگتی۔

آج جب میں اپنی تعلیمی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ اگر میرے پہلے استاذ کا وہ مزاحیہ اور محبت بھرا انداز نہ ہوتا تو شاید میں علم کے اس راستے پر جم کر کھڑا نہ رہ پاتا۔ میں نے تو اس سوچ کے ساتھ داخلہ لیا تھا کہ بقرہ عید تک پڑھ کر دیکھتے ہیں اگر اچھا نہیں لگتا تو گھر آجائیں گے لیکن مجھے پہلے استاذ کے طور پر مفتی عبید اللہ صاحب مل گئے۔

زندگی کے سفر میں بہت سے استاد ملتے ہیں، مگر ''پہلا استاذ'' وہ چراغ ہے جس کی روشنی کبھی مدھم نہیں ہوتی۔ دل کے افق پر وہ ہمیشہ ایسے ہی روشن رہتا ہے جیسے بچپن کی کوئی پیاری یاد، جیسے پہلی بار علم کی خوشبو محسوس کرنا اور جیسے پہلا احساس۔

میرے پہلے استاذ محض استاد نہیں ہیں، وہ میرے دل کے معمار ہیں۔ ان کی مسکراہٹ میری کتاب کے اوراق پر آج بھی جگمگاتی ہے، ان کے لطیفے میرے حافظے کی گلیوں میں اب بھی گونجتے ہیں، اور ان کی شفقت میری سوچوں میں ہمیشہ شامل رہتی ہے۔

سب سے بڑھ کر ان کا مزاحیہ انداز تھا جس نے ہمیں تعلیم کے خشک صحرا میں بھی ہنسی کے نخلستان عطا کیے۔ اسی انداز نے ہمارے ذہنوں پر ایسے نقوش چھوڑے جو آج تک تازہ ہیں۔ ان کی محفل میں بیٹھنے والا طالب علم کبھی اکتاہٹ محسوس نہ کرتا۔ ان کا درس علم کے ساتھ ساتھ دلوں کی تربیت بھی کرتا، اور یہی ان کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

مولوی یوسف سورتی

رات ڈابھیل خانقاہ میں ختم قرآن کے موقع پر دعا کے لیے قاری یوسف صاحب وانکانیری کی قدیم درس گاہ میں جگہ ملی تھی، میرے ساتھ قاری خالد ویسماوی تھے، دوران دعا مولوی یوسف سورتی مرحوم کی یاد آ گئی، تقریبا دس بارہ سال قبل ڈابھیل خانقاہ آیا ہوا تھا اور ہمیشہ کی طرح مولوی یوسف مرحوم سے ہی سنابیل کے کیک منگوائے تھے، چنانچہ وہ اُس سال اسی درس گاہ میں ملے تھے اور جس طرح خالد کے ساتھ دعا مانگ رہا تھا اس وقت یوسف مرحوم میرے ساتھ تھے، دنیا ایسی ہی ہے، ملتے ہیں، مل بیٹھتے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں جدا ہوجاتے ہیں، خالد سے زیادہ مجھے اپنی فکر ہورہی ہے کہ پتا نہیں اب کون داغ مفارقت دے جائے، کسی سے کبھی ایک جملہ سنا تھا کہ پتا نہیں سچا ہے یا ایسا ویسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو ہی جلد اپنے پاس بلا لیتا ہے، اس جملہ کی حقیقت کا علم نہیں مگر ہمارے یوسف بھائی نیک اور بھلے آدمی تھے، خیر ان پر غالب تھی، ہم سے عمر میں بڑے نہیں تھے لیکن عقلمندی، سلیقہ داری، دنیا داری اور دین فہمی میں اکثر ہم درس سے آگے تھے، صوفیانہ طبیعت نہ تھی مگر مزاج دیندارانہ تھا، چڑچڑاہٹ اور سخت و تیز با آواز بلند گفتگو سے کوسوں دور تھے، گھنی داڑھی بھی کم عمری میں آ گئی تھی اور ہم سب سے پہلے متزوج اور صاحب اولاد بھی ہوگئے تھے۔

ہمیشہ چاق و چوبند رہتے، چہرے پر ایک تازگی ہمیشہ عیاں رہتی، سست اور کسلان کبھی نظر نہیں آتے، آخری تین سالوں میں ہمارے درس گاہ کا حصہ بنے اور سب پر چھاگئے، کلاس والے صرف دولوگوں کو ہی ''بھائی'' کہا کرتے تھے، سہیل بھائی اور یوسف بھائی۔

جلد کنوارے پن کی دہلیز پار کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کافی مزاح کرتے رہتے، طبیعت میں اچھی خاصی ظرافت تھی۔ ہمیشہ خوش خرم رہنے والی شخصیت، جس کے چہرے پر پریشانی اور غم وہم ہم نے کبھی نہیں دیکھا بہت جلد ہم کو کو چھوڑ کر ایک بڑی بیماری سے لڑتے لڑتے رخصت ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔

مولانا ابو بکر صاحب زید پوری

ہمارے بزرگ ساتھی مولانا ابوبکر زید پوری زید مجدھم

سرپرستِ من مولانا عبد الوھاب صاحب بمبوی کی کوششوں سے میرا جب ادارۂ دینیات انٹرویو کے لیے جانا ہوا تو سب سے پہلے جس سے ملاقات ہوئی تو وہ ہمارے بزرگ ساتھی مولانا ابوبکر صاحب تھے، بکھری لمبی زلفوں پر بہت زیادہ اہتمام سے نہ باندھا گیا عمامہ رکھا تھا، داڑھی گھنی، دراز، تراشیدہ، مخضوب اور کچھ بکھری ہوئی تھی، بدن چھریرا، صدر اور بطن ہموار، قد معتدل اور شلوار ٹخنوں سے کچھ اوپر۔

مجھ سے ہم کلام ہوئے: کہ کیوں آنا ہوا؟ جب قریب سے دیکھا تو یوں معلوم ہوا کہ شب بیدار رہ کر آئے ہوں، دراز آنکھیں جو آنکھ بھر کر کھولا نہیں کرتے تھے، کشادہ جبیں جو کبھی سلوٹیں سجاتی، ناک دراز قدرے بلند، رنگ گندمی مگر اجلا۔

باتیں قدرے دھیمی مبھم سی کرتے ہیں، مگر جب اپنی رائے رکھنی ہو اور بات سمجھانی ہو تو بالکل واضح دوٹوک اور مبین ہوتی ہے۔

ادارہ میں تقرری کے بعد مولانا ہی کے ماتحت کام کرنے کا اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، مولانا اس وقت (ایچ۔ار) تھے بعد میں ہمارے شعبہ کے (ایچ۔او ڈی) رہے بعد ازاں ہمارے بے تکلف تدریسی ساتھی ہوئے،

مولانا ادارہ کے چاہے جس بھی عہدہ پر ہوں ہمیشہ اپنے ماتحتوں کے ساتھی بن کر رہے، ان کے تجربوں نے عہدوں کا فریب ان سے ختم کر دیا تھا۔

فائن ٹچ: زمانہ تدریس میں آپ سے ابو داؤد شریف مشکاۃ شریف اور اس کے علاوہ کتابیں وابستہ رہیں۔ہمارے فارغ پریڈ یکساں تھے لہٰذا بندے نے ان کے تجربات سے خوب فائدہ اٹھایا اور ان کی ظرافت طبع سے لطف اندوز ہوا اور ان کی مخترع دماغ سے خوب انمول موتی سمیٹے، اور ان کی جدت طبع سے بسا سامان آگے کے لیے، اور فکر خاص کا حامل بار گراں ہوا۔

مولانا ایک کامیاب مدرس ایک خیر خواہ ساتھی ایک امانت دار ملازم، ایک تربیت یافتہ پیر، ایک مصلحت شناخت مصلح، ایک درد رکھنے والے استاذ و مربی، ایک فکرمند مبلغ، ایک دور اندیش

صلاح کار، ایک صاف گو عامل معالج، ایک غیر ضرر رساں مسلم، رجل صالح، عالم باعمل، مخلص در عمل، سب کچھ ہیں۔ آپ ایک اکائی نہیں کائنات ہیں۔

دوران گفتگو اپنی رائے پر اڑتے ہیں لیکن چڑتے نہیں، غصہ سہتے ہیں لیکن کرتے نہیں۔ اپنوں میں حلیم اتنے کہ بزدلی کا گماں جائے اور غیروں میں شجاع اتنے کہ وہ ابوبکر نظر نہ آئے۔

کوئی بات ظرافت کی ہوتی تو ضرور ہنستے اس وقت ان کی صوفیت ان کی ظرافتِ طبع پر غالب نہ ہوتی، کبھی کھل کھلا کر سینے سے ہنستے، ہم اساتذہ میں دینی گفتگو ہوتی تو اس میں بھی شریک ہوتے، علمی مباحثہ ہوتے تو وہاں بھی جواہر پارے بکھیرتے، دنیوی علوم سے متعلق چہ می گوئیاں ہوتیں تو بھی سامنے والے کے منہ کا تھوک خشک کر دیتے، اگر نوجوان اساتذہ جنسی باتیں کرتے تو وہاں بھی بڑھ چڑھ کر نہیں بڑھا چڑھا کر حصہ لیتے اور کسی قسم کی تشنگی بعد میں بولنے والوں کے لیے نہ چھوڑتے۔

ویسے تو مولانا کے پاس ہر مشکل کا حل اور ہر بیماری کا علاج موجود ہوتا، (اور جو بھی حل یا علاج تجویز کرتے یقین محکم کے ساتھ اس کو پیش کرتے)

البتہ چند تجویزیں ان کی مشہور ہیں؛ اگر کوئی آسیبی اثرات کا متاثر آتا تو آپ مٹی کی کٹوری کے ذریعے جانچ کر کے علاج تجویز کرتے، اور اگر کوئی پریشان حال برسر روزگار آتا تو اس کے لیے نکاح کی تجویز رکھتے اور اگر کوئی اپنی بیوی کی بدخلقی، نشوز پنے یا اس کی سرد مہر طبیعت کا شاکی ہوتا تعدد ازدواج پر ابھارتے، اور اگر کسی میں بے دینی ملاحظہ کرتے تو جماعت میں جانے کا مشورہ دیتے اگر کوئی لڑکا حاضر خدمت ہوتا تو فائن ٹچ شعبہ عالمیت میں داخلہ لینے پر آمادہ کرتے۔

تعدد ازدواج کو مولانا نہ یہ کہ صرف جائز سمجھتے بلکہ اس کے باعمل مشتہر اور پرزور داعی ہیں، آپ متزوج ثلاثہ ہیں اس کے باوجود آپ دیکھیں گے ان کے چہرے پر طمانینت کا گھنا سایہ ہے، شخصیت پروقار ہے، افکار و قوی توانا ہیں، آپ اپنے کم عمروں سے زیادہ نوعمر، پرکشش اور صحت مند ہیں۔

ہمارے مولانا کی ایک خاص صفت آپ کا حلم اور دریا دلی ہے جس طرح دریا میں جو ڈالو دریا سب سمو لیتی ہے آپ کو جتنا کڑوا بولا جائے سب پی لیتے ہیں پھر اس بات کو درگزر کر کے اپنے دل و دماغ سے بھی ڈلیٹ مار دیتے ہیں، بطور شکایت ان سے کبھی نہیں سنا گیا کہ فلاں نے

میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیا یا اس طرح مجھ کو غلط کہا ہاں بطور نصیحت نام لیے بغیر کہا کرتے تھے۔ سخت باتیں آپ کو غصہ ور بنا کر شماتتِ خصم کا باعث نہ بنتیں بلکہ آپ کی بردباری خصم کو مزید غیظ وغضب میں مبتلا کرتی۔

آپ بہادر بھی بلا کے تھے مزاحمت ومقابلے اور اپنا بچاؤ آپ سے متعلق آپ طلباء کی نگہداشت کرتے، اس کے لیے لاٹھی اور تقنع کی ترغیب دیتے۔

ایک مرتبہ اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں یوپی میں ٹرین کا مسافر تھا۔۔۔۔ ایک متعصب ہندو عمامہ جبہ دیکھ کر درپئے آزار ہوا۔۔۔ ساتھ پہلی بیوی اور بچے تھے۔۔۔ وہ ہندو بندے نے جگہ کے مسئلہ کو ایشو بنا کر یوں چڑھ دوڑا کہ مارنے کو تیار ہو۔۔ مولانا فوراً جھٹ سے کھڑے ہوئے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: ”کیا کرے گا تو؟ مسلمان تو پیدا ہوتے ہی ہیں مرنے مارنے کے لیے۔“ مولانا کچھ کراٹے جانتے ہیں تو ہاتھوں سے ویسے پوزیشن لے لی، تو اسی وقت اس بندے کے ہم مذہبوں سے بھرے ڈبے نے بھی اس کی جرأت باقی نہ رکھی اور منہ بنا کر ایک طرف کو ہولیا۔

آپ جہاں جاتے ہیں آپ کے ساتھ آپ کا بیگ ضرور ہوتا جس کو آپ ”بوجھ“ کہتے (فرماتے انگلش کے بہت سے الفاظ اردو عربی سے لیے ہوئے ہیں اس کی ایک لمبی داستاں ہے جو کبھی اور سناؤں گا)

یہ بیگ آپ کے ساتھ ایسا تلازم رکھتا ہے گویا آپ کے بدن کا حصہ ہو، ان کا بیگ گویا بہلول کا جھولا ہے جس میں روزمرہ کی ضرورت کی ہر چیز مل جاتی ہیں کنگا، ٹیشو، پیپر، ناخن تراش، قینچی، چاقو، تعاویذ، قلم، کاپی، عمامہ، ٹوپی کھجالہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ، یہ اشیاء آپ کے بیگ کا وزن تقریباً ۱۵ر کلو بناتی ہیں، اس بیگ کو لے کر آپ سبک رفتاری سے جھک کر اور نظریں جھکا کر چلتے ہیں۔

عربی زبان کا اثر انگریزی پر؛ اور ہمارے بزرگ ساتھی مولانا ابو بکر صاحب ندوی:

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (اور اس کو بولنا سکھایا) بیان سے مراد ایسی گویائی ہے، جس کے ذریعہ انسان اپنے دل کی بات کو زبان پر لاسکے اور اپنے مقصد ومنشاء کو ظاہر کرسکے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس سے تمام جانداروں میں سے صرف انسان کو نوازا گیا ہے، دوسری جاندار

مخلوقات کو صرف آواز یا اشارہ کی صلاحیت دی گئی ہے۔ (آسان تفسیر)

زبانوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی غیر معمولی نشانی ہے (الروم:۲۲) پھر زبان اور رنگ کا یہ اختلاف انسان کے لئے بہت بڑا انعام بھی ہے۔مختلف زبانیں سیکھنے کا اپنا ایک الگ مزہ ہے بھی ہے اور انسان اس سے مختلف قوموں کی تاریخ و تہذیب سے براہ راست، راست اور صحیح روشناس بھی ہوتا ہے۔

فدوی اپنی مادری زبان ہی سے نکل نہیں پایا تھا وہ اس چاشنی کی لذت سے نا آشنا تھا کہ قدرت نے اسے گیسوئے دراز، صاحب عمامہ، کالج و مدرسہ کے شناور، ژرف نگاہ مولانا ابو بکر صاحب ندوی کے ساتھ شرف ماتحتی کا موقع دیا۔

آج فارق ہائی اسکول جوگیشوری ممبئی میں آویزاں بورڈ پر نظر پڑی -جس میں ان الفاظ کو بحسن خوبی لکھا گیا تھا جو عربی سے منتقل ہو کر انگیریزی میں مستعمل ہیں۔تو مولانا موصوف کی یاد تازہ ہوگئی۔ آپ کئی زبانوں سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے تھے، جماعت میں جہاں جاتے اس علاقے کی زبان کا کچھ حصہ ساتھ لے آتے۔ اور اردو ہندی عربی انگلش پر آپ کو یک گونہ مہارت تھی۔ لہٰذا آپ ایسے بہت سے الفاظ کی نشاندہی کرتے جو فارسی یا عربی کے ہندی اور انگریزی زبان میں رائج ہیں۔

آپ فرماتے کہ ''جو لوگ جتنے بے تکلف متواضع ہوتے ہیں ان کی زبان بھی صاف واضح کم اشارہ والی ہوتی ہے اور وہ کشادہ دہن سے منہ کھول کر بات کرتے ہیں۔اور جن کی طبیعت میں ناز ہوتا ہے تکبر و تکلف کے جو خوگر ہوتے ہیں ان کی زبان و کلام میں بلاوجہ اشارہ کرنا اور منہ پیس کر باتیں کرنا زیادہ ہوتا ہے، اب دیکھیے عربی میں کشادہ دہنی فصاحت و بلاغت سے کنایہ ہے جب کہ انگیریزی جتنا حرف چبا کر منہ بند کر کے بولی جائے خوبی سمجھا جاتا ہے۔''

آپ اردو زبان میں انگریزی الفاظ کی بے جا مداخلت ہو یا بجا، ناپسند کرتے، کہتے کہ کیا کسی انگریز کو بولتے ہوئے سنا ''I will intezar you'' تو ہم کیوں کہیں کہ ''میں آپ کا ویٹ کروں گا۔'' یہ مغلوبیت کی علامت ہے، پیر کو منڈے بولے جانے پر کبھی خاموش نہ رہتے۔

آپ کہتے تھے ''فیشن'' درحقیقت ''لباسا فحشا'' سے ماخوذ ہے۔''کیرٹ''، ''قیراط'' سے لیا گیا ہے۔بستہ جس کو ''بیگ'' کہا جاتا ہے وہ ''بوجھ'' سے ہے۔''الجیبرا''، ''الجبر'' سے،

"cow" (گائیں) گاؤ سے بنا ہے۔ "سموسا" درحقیقت "سہ منہ سا" تھا یعنی تین منہ جیسا کیوں کہ سموسہ کے تین کونے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی آپ ان موشگافیوں میں مزاح کا بھی تڑکا لگاتے۔ کہتے کہ "ڈاکٹر" اصل میں "ڈاکوتر" ہے۔ مولانا کی ایسی تحقیقات کثرت کو پہنچیں ہوئی تھیں، فی الحال ان الفاظی ذخیروں تک حافظے کی رسائی نہیں ہو رہی ہے۔

فاروق ہائی اسکول میں یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے؛

Algebra (الجبر)	Admiral (الامیر)
Cotton (قطن)	Coffee (قہوہ)
Sofa (صُفّہ)	Sugar (سکر)
Ghoul (غول)	Giraffe (زرافۃ)
Alcohal (الکحول)	Syrup (شراب)
Gazelle (غزال)	Alcove (القبۃ)

اور چند الفاظ یہ بھی ہیں:

Jar (جرّۃ)	Magazine (مخزن/مخازن)
Safari (سفر)	Alchemy (الکیمیاء)
Amber (عنبر)	Orange (نارنج)
Algorithm (الخوارزمی)	

بر وفات حسرت آیات والدہ محترمہ

انھوں نے چھ لڑکیاں اور چار لڑکے چھوڑے، خود نہ مدرسہ گئی تھیں نہ ہی اسکول کا منہ دیکھا تھا لیکن اپنی آٹھ اولاد کو عالم بنایا تھا، مائیکا اور سسرال کچھ زیادہ دیندار نہ تھا لیکن خود صاحب ترتیب تھیں، قرآن اٹک اٹک کر لیکن پابندی سے پڑھتی تھیں، نماز سے بے حد شغف تھا، تمام نمازیں اول وقت پڑھنے کا معمول تھا، ۸۴/ ۸۵ عمر ہونے کے باوجود از خود وضو کر کے اول وقت میں نماز ادا کرتیں، فجر کے وقت اپنے چاروں لڑکوں کے گھر جاکر بیدار کرتیں، جب نقاہت بڑھ گئی تو فون سے بیدار کرتیں، کبھی کسی سے قرض نہیں لیا نہ ہی اپنے بچوں سے کبھی پیسوں کا مطالبہ کیا، نہ کسی سے خدمت کی کوئی شکایت کی، انتقال کے دن ظہر کے لیے باصرار نماز کے لیے کرسی پر بیٹھنے اور وضو کرانے کہا، کرسی پر بیٹھ گئی لیکن کمزوری کی وجہ سے زیادہ دیر بیٹھا نہ گیا، ساڑھے تین بجے اسپتال لے جانے کی تیاری تھی، امی سے پوچھا کہ چلیں گی اسپتال؟ تو کوئی جواب نہیں دیا، پانی کے لیے پوچھا تو سر کے اشارے سے ہاں کہا، چار بجے کے قریب چھت کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھا ایک منٹ تک لمبی لمبی سانسیں لیں۔ چچی کے کہنے سے کلمہ کی تلقین کی جانے لگی پھر روح نے بدن سے اپنا واسطہ منقطع کر دیا، لوگ کہہ رہے ہیں کہ اتنی آسان موت ہم نے نہیں دیکھی۔ اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، ان کے محبین سے ان کو جنت الفردوس میں ملائے۔

وہ محروم تھیں تعلیم سے مگر مجھ کو پڑھایا ہے　　پسینہ حد سے بڑھ کر بھی میری خاطر بہایا ہے
کھڑا رہتا ہوں جو شاہوں میں سر اٹھا کر میں اپنا　　میرے والدین نے آج مجھے اس قابل بنایا ہے

وا اماہ ہائے میری ماں: امی کسی کا احسان لینے کی عادی نہیں تھیں، اپنے تمام کام خود کر لیا کرتی تھیں (الا یہ کہ وہ کام بہت دشوار ہو) یا ان کو کرنے دیتیں جو خوش دلی سے کیا کرتا تھا، جب تک بچیوں کی شادی نہیں ہوئی تھی اور گھر کے کام تقسیم ہو کر بآسانی ہو جایا کرتے تھے، تو آپ کے کپڑے بھی ساتھ دھل جاتے تھے، لیکن جب سب بچیوں کی شادی ہو گئی اور سب بچوں کا جدا جدا گھر ہو گیا تو اپنے کپڑے خود اپنے ہاتھوں سے دھولیا کرتیں، گھر کی صفائی پسند تھی جو کام بچیوں کے بعد پوتیاں اور اس کے بعد بہوؤں نے انجام دیا۔

کھانا بنانا امی کے چھوٹے سے گھر میں دشوار تھا اور کسی بیٹے کے گھر جاکر از خود بنانا انتشار کا سبب تھا اس لیے جو از خود خوشی سے امی کے گھر کھانا لے آتا اس کے ساتھ کھانا تناول کرتیں۔

ہم بچوں کی بھی یہ تمنا تھی کہ والدہ محترمہ کسی کی محتاج نہ بنیں، جس وقت عمر ۷۳، ۷۵ سال تھی اس وقت کافی بیمار ہوگئی تھیں تو فکر اور زیادہ بڑھ گئی تھی، لیکن امی جان صحت یاب ہوگئیں، امی پر لقوہ کا بھی حملہ ہوا امی جان بفضل اللہ تعالیٰ اس سے بھی ابھر گئی، امی جان کو کرونا نے بھی اپنی گرفت میں لے لیا تھا، امی نے اسے بھی باذن اللہ مات دی اور صحت مند ہوگئیں، کرونا کے بعد اب بالخصوص آخری دو دونوں میں بیمار ہوئیں، ہمیں یہی اندازہ تھا کہ آپ دوبارہ صحت یاب ہوکر پہلے کی طرح گھر کی رونق بنیں گی، لیکن اس مرتبہ تقدیر ازلی میں کچھ اور لکھا تھا۔

تین دن سے کھانسی، کمزوری اور پیٹ درد محسوس کر رہی تھیں، لیکن آخری دن سے ایک دن پہلے کمزوری بڑھ گئی، جو امی بغیر سہارے کے آٹھ جاتیں از خود نماز وضو کرلیتیں، اب اٹھنے میں سہارا کی محتاج ہوگئیں، اور آخری دن سے پہلے والی رات ایک ہی ہیئت پر سوئی رہیں، نقاہت کی وجہ سے کروٹ لینا بھی دشوار تھا، صبح اٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے کہا، کمزوری بہت بڑھ چکی تھی، نماز ادا نہ کرسکیں، ٹھنڈی چائے بھی پی نہیں جارہی تھی، پانی بھی لیٹے لیٹے پینا پسند کر رہی تھیں۔

۱۲:۱۵ بجے مدرسہ سے آیا تو منجھلے بھائی اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے، ہم نے مل کر اٹھایا، ظہر کی نماز کے لیے کہہ رہی تھیں، لیکن ابھی تک ظہر کی نماز کا وقت نہیں ہوا تھا کمزوری کی وجہ سے بیٹھا نہیں گیا دوبارا لیٹ گئیں، میں امی کی پاس سے پھر روانہ ہوگیا کچھ دیر بعد بڑے بھائی کا فون آیا کہ امی کو اسپتال لے جانا ہے وہاں پہنچا تو چچی بھی وہاں موجود تھیں جو یاسین پڑھنے کا کہہ رہی تھیں، ہمیں تعجب ہو رہا تھا کہ یہ وفات کا وقت نہیں ہے، لیکن ان کا اندازہ صحیح نکلا، کچھ دیر بعد امی نے غور سے چھت کی طرف دیکھا، اور تیز تیز سانسیں لینے لگیں بڑے بھائی جان نے ہاتھ تھام کر کلمہ کی تلقین شروع کردی، میں نے جو یاسین کی تلاوت شروع کی تھی، اب کلمہ کی تلقین کرنے لگا، پوتی نے چمچ سے پانی پلایا، میں قدم پر ہاتھ رکھ کر سہلانے لگا، اسی درمیان امی کی سانسیں رک گئیں، ہماری حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی لیکن یہ بات حقیقت کی طرح ہم پر ثبت کردی گئی کہ امی اب ہمارے درمیان نہیں رہیں، وہ امی جو اپنے بچوں کو ''بابو بابو'' کہہ کر پکارا کرتیں، اپنا نوالا اپنے بچوں کے لیے اپنے منہ سے نکال کر سینت سینت کر رکھا کرتی تھیں، ہر

چیز میں اپنے بچوں کا حصہ پہلے الگ کرلیا کرتیں۔ ان کے پاس کھانے کی جو بھی چھوٹی بڑی چیز ہوتی اپنے کام سے آئے ہوئے بچوں کو سلام کے بعد پیش کرتیں اور بااصرار کھلاتیں تھیں، تمام لڑکے اپنے اپنے کاموں کو ان ہی کے پاس سے روانہ ہوتے اور گھر آنے پر سب سے پہلے ان ہی کے پاس آتے۔ جاتے وقت ضرور کہتی کہ بیٹا دعا پڑھ لے کسی دن دعا کی تلقین کرنا نہیں بھولتی تھیں، جب آتے تو روزانہ ہمیشہ اپنے شدت انتظار کا اظہار کرتیں کہ ''جلدی آجایا کرو، کب سے دروازے کی طرف دیکھ رہی رہوں۔''

جب سانسیں تیز تیز چلنے کی کشمش جاری تھی، اور اچانک ساکن ہوگئیں تو چچی نے کہا: دیکھو پیشانی پر پسینہ آیا کیا؟ بڑے بھائی نے ہاتھ لگا کر بتایا کہ: ہاں آیا ہے۔ چچی نے تصدیق کی کہ انتقال ہوگیا۔

حدیث شریف میں آتا ہے: مومن کی وفات ہوتی ہے پیشانی کے پسینے کے ساتھ۔(ترمذی)

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ خیر کی علامت ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ موت کے وقت روح نکلنے کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے تا کہ جو گناہ ذمہ میں ہوں اس سے بندہ پاک ہو جائے یا اس کے درجات بلند ہوں۔بعض علماء نے کہا کہ جب مومن کے پاس موت کے وقت بشارت آتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے اور پشیمانی ہوتی کہ میرے اعمال تو ایسے نہیں تھے جیسا یہ انعام ہے اس کے نتیجہ میں پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے۔

امی جان اس بیماری میں وقفہ وقفہ سے کہہ رہی تھیں کہ پیٹ میں درد ہے، ڈاکٹر سے بھی اسی کی دوا لے کر آئے تھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: پیٹ درد کی بیماری میں جو مرا وہ شہید ہے۔(نسائی)

قطعیت کے ساتھ تو ہم کچھ بول نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی ہماری والدہ کو شہداء میں اور کامل مومنات میں شامل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

یقیناً انسان ہونے کی وجہ سے اکیلا پن ضرور محسوس ہوتا تھا، ابا کے بغیر ۳۰؍سال زندگی گزاری، نہ موبائل استعمال کرتیں اور نہ ہی مجلس بازی کا شوق تھا۔ لیکن کبھی اکیلے پن یا بوریت کا شکوہ نہیں کیا، کبھی رونا نہیں پیٹا کہ مجھے کوئی دیکھتا نہیں ہے، سب اپنی اپنی لگائیوں کے ہوگئے ہو۔ نہ باہر سے آنے والیوں سے کبھی گھر والوں کی کوئی شکایت کی، شادی کے بعد جس

بچے نے جیسی زندگی جینا چاہی اس کو روکا نہیں۔

بچیوں سے بھی بہت لگاؤ تھا، لڑکوں کی محبت قدرتی طور پر ایک عورت یا مرد کے دل میں زیادہ ہوتی ہے، یہ ایک فطری امر ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نعمتیں گنواتے ہوئے ارشاد فرمایا ''وَبَنِينَ شُهُودًا'' یعنی اس کو پاس حاضر رہنے والے بیٹے دیے۔

اس لحاظ سے امی کو اگرچہ بیٹوں سے زیادہ محبت ہوگی لیکن بیٹیوں سے بھی کم محبت نہیں تھیں، بیٹیوں کی تکلیفوں، بیماریوں اور شادی کے بعد پیش آنے والی کچھ پریشانیوں میں بھاگتے ہوئے پیرانہ سالی کے باوجود ہم نے دیکھا ہے۔

بیٹیوں کو فون کرکے بلاتیں، اپنے پاس سلاتیں، اچھا کھانا منجھلے بھائی بغیر بولے بنوالیتے، رخصت ہوتی تو ضرور کہتیں کہ پہنچ کر فون کر دینا۔

اپنی بچیوں میں انصاف کا خاص خیال رکھتیں، جتنا زیور ایک کو دیا ہے دوسری کو بھی اتنا ہی زیور دینے کی کوشش کرتیں، کسی بیٹے کو حج کرایا تو دوسرے کو بھی اتنی رقم دیتیں، ہر بیٹا اپنے ذاتی گھر میں رہائش پذیر ہو تو اس کا بھی خیال رکھتیں، سب سے چھوٹے بھائی کا جب نکاح ہوا تو یہ بات بھی آئی کہ انھیں منجھلے بھائی کے اوپر والے گھر میں رہائش دی جائے لیکن امی نے منع فرمایا کہ وہ اپنے مستقل علحدہ گھر میں رہے گا۔

یہی سب خوبیاں امی کی یاد آتی ہیں اور آنسو رلاتی ہیں۔

چھوٹا بھائی انتقال والے دن بول کر رو رہا تھا (جو وفات کے وقت گھر پر نہیں تھا) کہ اب مجھے ''بابو بابو کون بلائے گا؟ کیا امی کی روح آسانی سے قبض ہوگئی تھی؟''

روح نکلنے کا منظر ہی تو میری (راقم کی) نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو رہا ہے، امی کا چھت کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا پھر بڑے بھائی کا امی کا ہاتھ تھامنا، امی کا زور زور سے سانس لینا جس طرح کوئی دانت پیستے ہوئے سانس لیتا ہے پھر دم بھر میں سانس رک جانا۔

یُوں بُنی ہیں رَگیں جِسم کی ایک نس، ٹس سے مس اور بس
سب تماشائے کُن ختم شُد کہہ دیا اُس نے بس اور بس
کیا ہے مابینِ صیّاد و صید ایک چاکِ قفس اور بس

وہ سانسیں جو چوراسی پچاسی سال سے برابر چل رہی تھیں یوں منٹوں میں کام ختم ہمیں

کچھ موقع نہیں ملا خدمت کا، نہ یہ سمجھنے کا کہ اب رخت سفر باندھے گیں، لہٰذا ہمیں قدر کر لینا چاہیے، درحقیقت امی نے خود اپنے بچوں کی اتنی فکر کی کہ بچے ان کی فکر سے بے فکر ہو گئے، اپنا بوجھ کبھی اپنے بچوں پر نہیں ڈالا، آپ نے اپنی بیماری کے ایام میں نہ یہ کہا کہ مجھے اسپتال لے کر چلو، یا کسی ڈاکٹر ہی کو دکھا دو، بس برداشت کرتی رہیں اور کہتی رہیں کہ پیٹ میں درد ہو رہا ،اب پہلے سے ٹھیک ہے، پاخانہ نہیں ہو رہا ہے، قائم چورن کھلا دے۔ اپنے ان ایام میں نہ کسی کو ڈانٹا نہ ہی اسپتال جانے کی رٹ لگائی اور نہ ہی درد کی وجہ سے آہ واویلا کیا، بس برداشت کیا، آپ نے نہیں چاہا میری وجہ سے کسی کو بے جا یا بجا تکلیف ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے ہی بلا لیا نہ اپنی محتاجگی کسی پر ڈالی نہ اسپتال کا بار اپنے بچوں پر ڈالا۔

رفتہ رفتہ سب وفات کی خبریں سن کر جمع ہو گئے، بڑی باجی بھی دہرادون سے آ گئیں، ان سے چھوٹی باجی جو امی کی ایک آواز میں آجایا کرتی تھیں وہ نہ آپائیں۔

وفات کے بعد امی اپنی اسی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں جو آپ کو بے حد پسند تھی۔ آپ نے وطن سے اپنے لیے منگوائی تھی اور تیس سال سے تو میں دیکھ رہا ہوں امی اسی پر سوتی تھیں، کئی مرتبہ کہا بھی گیا کہ پلنگ لے لیں لیکن ہمیشہ انکار کیا، اسی چارپائی پر اب بھی لیٹی تھیں، لگ رہا تھا کہ امی ابھی آواز دیں گی، صرف آرام کر رہی ہیں۔

لیکن یہ عورتیں کیوں امی کے پاس جمع ہیں؟ کیا امی کو کچھ ہوا ہے؟ وہ تو مسکرا رہی ہیں، ان کو تھوڑی کے نیچے سے کپڑا پتا نہیں کس نے کیوں باندھا ہے؟ امی کو اس طرح بندھا ہوا کپڑا پہنے رہنے کی کبھی عادت نہیں رہی، ان کو الجھن ہو رہی ہو گی! دوپٹا ذرا ہلکا رکھنے کی عادت تھی۔ کیا اس سے امی کو تکلیف نہیں ہو رہی ہے؟

لیکن اس مرتبہ امی کو اٹھنا ہی نہیں تھا، جو ماں برسوں سے اپنے بچوں کو فجر میں اٹھاتی آئی تھیں، جن کو کبھی وقت پر اٹھنے کے لیے الارم کی ضرورت نہیں ہوئی، جنھوں نے بیدار ہونے کے لیے کبھی فجر کی اذان کا انتظار نہیں کیا۔ آج وہ بیدار ہونے کے لیے ہمیں انتظار کروا رہی تھیں، ایسا پُرسکون چہرا تھا لگ رہا تھا کہ بیدار ہونے کا ارادہ ہی نہیں۔

جاکر اپنی اماں بابا سے ملیں گی، زمانے کی روداد انھیں سنائیں گی، اپنے عزت دینے والے شوہر سے ملیں گی جن کی حصہ میراث کی بدولت وہ لوگوں بلکہ اپنے بچوں کے سامنے دستِ سوال

دراز کرنے سے محفوظ رہیں، ان سے گلے مل کر اپنے بچوں کے حالات سنائیں گی، ان کو بتائیں گی کہ میں نے تمہارے بچوں کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہیں کی، تمہاری امانت کی اپنی وفات تک ان کی دین و دنیا کو محفوظ رکھا، نہ آپ کے مال میں خیانت کی۔

ہر نیک مسلمان مرنے کے بعد اپنے پہلے سے انتقال کرجانے والوں سے ملتا ہے، اور وہ باقاعدہ مرنے والے کا استقبال کرتے ہیں، استقبال کرنے کے بعد ان سے اپنے زندہ رشتہ داروں سے متعلق احوالِ غم وخوشی بھی پوچھاجاتا ہے، جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے، تو خدا کے مرحوم بندے (جن کا پہلے انتقال ہوگیا تھا) اس سے آگے بڑھ کر اس طرح ملتے ہیں، جیسے دنیا میں کسی خوش خبری لانے والے سے ملا کرتے ہیں، پھر (ان میں سے بعض) کہتے ہیں، ذرا اس کو مہلت دو کہ دم لے لے؛ کیوں کہ یہ (دنیا میں) بڑے کرب میں تھا، اس کے بعد اس سے پوچھنا شروع کرتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ کیا اس نے نکاح کرلیا ہے؟ پھر اگر ایسے شخص کا حال پوچھتے ہیں، جو اس شخص سے پہلے مر چکا ہے، اور اس نے کہہ دیا کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے، تو إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھ کر کہتے ہیں کہ بس اس کو اس کے ٹھکانے یعنی دوزخ طرف لے جایا گیا ہے، وہ تو جانے کی بھی بری جگہ ہے، اور رہنے کی بھی بری جگہ ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے ان رشتے داروں اور خاندان والوں کے سامنے، جو آخرت (عالم برزخ) میں ہیں، پیش کیے جاتے ہیں، اگر نیک عمل ہو، تو وہ خوش اور بشاش ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کا فضل اور رحمت ہے، پس اپنی یہ نعمت اس پر پوری کیجیے، اور اسی پر اس کو موت دیجیے، اور ان پر گناہ گار شخص کا عمل بھی پیش ہوتا ہے، تو کہتے ہیں کہ اے اللہ! اس کے دل میں نیکی ڈال دے، جو تیری رضا اور قرب کا سبب ہو جائے۔ (المعجم الاوسط)

ان کو نہلا کر کفنا دیا گیا اب لے جانے کا وقت آ گیا، بچیاں جو پہلے سے رو رو کر نڈھال تھیں اب ان کی چیخیں نکلنے کو ہے، یہ تو دنیا کی ریت ہے اپنوں کو ایسے ہی روانہ کرنا پڑتا ہے، ہم اپنے حساب سے سوچتے ہیں کہ نہ لے جایا جائے لیکن جنتی میت کو تمنا ہوتی ہے کہ کیوں دیر

کر رہے ہو مجھے میرے ٹھکانے تک جلدی پہنچا دیا جائے، اللہ تعالیٰ بھی اپنے ایسے بندوں کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ (مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ)

کندھے پر اٹھا کر ان کو لے جایا گیا، اسی کھولی (گھر) سے جس میں آپ نے اپنی زندگی کے کئی سال گزارے اب وہ منزل ان کی نہ تھی ان کی منزل آگے تھی، جس گھر سے کہیں اور جانے کا آپ کا ارادہ نہ تھا نہ کہیں جاتی تھیں، آج وہ کھولی ماتم کدہ ہے بلکہ خود کھولی ماتم کناں ہے، وہ رو رہی ہو گی کہ یہاں اٹک اٹک کر محبت بھری تلاوت ہوتی تھی وہ کہاں ہے، یہاں برسوں سے سجدہ کیا جاتا تھا وہ کہاں ہے، یہاں فجر کی اذان سے پہلے ہی نماز کی ندا آتی تھی وہ کہاں ہے، یہاں بلا بلا کر فضائل اعمال پڑھوائی جاتی تھی جس میں قال رسول اللہ ﷺ کی ندا آتی تھی وہ کہاں ہے، یہاں چھ نمبر سکھلائے جاتے تھے، حکم دے کر عملی مشق کروائی جاتی تھی، وہ کہاں ہے، اس چھوٹے سے گھر سے بے شمار اعمال چڑھتے تھے صحت یابی کے زمانے میں پابندی سے کیے ہوئے اعمال کے انوارات ابھی باقی تھے، مامور فرشتے بھی جان گئے کہ اب ان کے شمار کرنے کا وقت ختم ہو گیا ان کو امید ہو گی کہ اب صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب اس نیک بندی کی طرف سے کیا جائے گا۔

قبرستان پہنچ کر نماز جنازہ پڑھی گئی، عورتیں بھی آخری دیدار کے لیے گھر پر بہت آئی تھیں اور قبرستان میں بھی اچھی خاصی مردوں کو تعداد تھی۔

نماز جنازہ پڑھانے کے بعد امی کو قبر میں اتارنے کے لیے میں (راقم) چھوٹا بیٹا اور نواسا اترے، امی کو اٹھا کر قبر میں رکھ دیا گیا، سر کی جانب، میں ہی تھا امی کو کروٹ دینے اور آگے پیچھے کرنے کے لیے سر کی طرف ہاتھ لگانا پڑ رہا تھا، نرم نازک کان اور ناک پر میرا ہاتھ لگتا کبھی بازو اور پشت پر، کبھی مقدس سر پر۔

یہ وہی سر کان ناک پشت ہے جس پر ہم تھوڑی دیر پہلے امی کی چارپائی پر ہاتھ لگا رہے تھے سہارا دے کر بٹھا رہے تھے، نماز پڑھنے کے لیے کرسی پر بٹھا رہے تھے، اب اسی پاکیزہ محترم نازک بدن کو زمین کھود کر ایک گڑھے میں رکھ دیا گیا ہے، جہاں نہ تکیہ ہے نہ بستر، نہ رات میں جلتا چھوڑنے کے لیے ڈیم بلب، کروٹ باقی رکھنے کے لیے بھی مٹی ہی کو استعمال کیا گیا ہے۔

سوالات گردش کر رہے تھے کہ؛ کیا اب ہم امی کو یہیں چھوڑ کر جانے والے ہیں، کیا ہمارے دل اتنے سخت ہو گئے کہ اسی نازک بدن پر جس نے تمیں پوری زندگی پالا، ذرا مٹی میں

ملوث ہوجاتے تھے تو فورا نہلا دیتی تھیں، کیا اسی نازک بدن پر مٹی ڈالنا ہے؟ کیا اس تنہائی میں امی کو اکیلے چھوڑ کر جانا ہے؟ جس نے کبھی اپنے بچوں کو ان کی پریشانی میں اکیلا نہیں چھوڑا۔

کیا ہم دوسری قبروں کی طرح اس کو بھی کوہان نما بنا کر امی کو چھوڑ کر یہاں سے اس حال میں گھر پہنچے گے کہ وہاں چارپائی پر امی نہیں ہوں گی، ہماری اول رویت میں خیریت دریافت کرنے والی نہیں ہوں گی، ہم کو اپنا شدتِ انتظار بتانے والی نہیں ہوں گی؟

اتنا سخت دل تو ہم کو نہیں ہونا چاہیے۔لیکن یہی زندگی کی حقیقت ہے، ان کا مونس و محافظ اب ان کے نیک اعمال ہیں، ان کی تنہائی کو دور کرنے والی اب ان کی نماز ہے، ان کی خیریت دریافت کرنے والے اب ان کے والدین بھائی بہن اور بالخصوص ان کے محبوب شوہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بنایئے، جنت کی کھڑکی آپ کی قبر میں کھول دیجیے، جنت کا بہترین مقام ان کو قبر سے دکھا دیجیے، اور ہر طرح کی عذاب سے ان کی حفاظت فرمایئے۔آمین یا رب العالمین

والدہ مرحومہ کی دینداری: میں نے اپنی یاد داشت میں دیکھا کہ امی سونے سے پہلے تہجد اور قضائے عمری کا اپنی صحت مندی کے زمانے تک بہت اہتمام کرتی تھیں، اشراق و چاشت اور اوابین کا بھی دائمی معمول تھا اور صبح و شام معمول کی تلاوت اور خاص سورتوں کے پڑھنے کا بھی کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔

تبلیغی جماعت اور تبلیغی اجتماع جو ہمارے گھر میں ہوتا تھا اس کا بڑا اہتمام فرماتیں اور ان کاموں سے ایک خاص محبت تھی، گھر کی صاف صفائی کرواکر چٹائی بچھوا کر سب سے پہلے جاکر بیٹھتیں۔

ہر نماز اول وقت پر پڑھنے کا اب تک معمول تھا، سوائے عصر کی نماز کے، چوں کہ اب درازگئ عمر اور ضعف و ناتوانی کی بنا پر بار بار وضو کرنا دشوار ہوتا تھا اس لیے عصر کو تھوڑا مؤخر کرکے اسی وضو سے مغرب کی نماز پڑھتیں۔

نماز کے اول وقت میں پڑھنے کا جو اہتمام میں نے اپنی والدہ میں دیکھا وہ اور کسی میں نہیں دیکھا، فرمان نبی ﷺ بھی کہ بہترین عمل اول وقت میں نماز پڑھنا ہے، بسا اوقات آپ وضو کرکے بیٹھ جاتیں اور اپنے پاس موجود کسی اولاد سے بار بار پوچھتی رہتیں کہ کیا نماز کا وقت ہوگیا؟ دس پندرہ منٹ میں پانچ چھ بار پوچھ لیتیں پھر جس منٹ نماز کا وقت داخل ہوتا اسی منٹ نماز شروع

فرمادیتیں۔

بغیر کسی الارم کے فجر کے وقت از خود بیدار ہو جاتیں اور اپنے پاس سونے والے کو اس وقت تک پکارنا نہیں چھوڑتیں جب تک کہ وہ اٹھ کر بیٹھ نہ جائے، جب تک صحت مند تھیں تو سب بیٹوں کے گھر جاکر برابر دروازہ پر دستک دیتی رہتیں، جس کسی کی فجر کی نماز جماعت سے رہ جاتی تو وہ امی کی ڈانٹ کا سامنا کرتا۔

اپنے بچوں کی دینی تعلیم کی فکر: امی نے دس بچوں میں سے ہر ایک کو سوائے منجھلے بیٹے کے گھر سے باہر بھیج کر تعلیم دلوائی ہے، چھوؤں بیٹیوں کو مالیگاؤں میں عالمہ بنایا اور بڑے بیٹے کو باہر بھیج کر ڈاکٹر بنایا اور چھوٹے بیٹے اور مجھے بھی گجرات وغیرہ میں دینی تعلیم دلوائی، حالاں کہ چھوٹے بیٹے اور میرے پڑھنے کے زمانہ میں آپ کی عمر ۶۰ سے زائد ہوگئی تھی، تمام بچے بچیوں کی تقریباً شادی ہوگئی تھی ہر ایک اپنے اپنے گھرانے میں تھا اور امی خود بیوہ بھی تھیں ایسے موقعہ پر کسی بھی خاتون کا دل یہ کرتا ہے کہ اس کی چھوٹی اولاد اس کے پاس رہے لیکن امی نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے سامنے اپنے جذباتوں کی ہمیشہ قربانی دی ہے۔

ایک مرتبہ تو عربی دوم سے پہلے مدرسہ میں پڑھنے سے میرا دل اُچاٹ ہوگیا، اور گھر پر کہہ دیا کہ میں مدرسہ نہیں جاؤں گا، بڑے بھائی نے بھی سپر ڈال دیے، مدرسہ کھل گیا اور میں نے کئی دن گھر پر ہی گزار لیے، لیکن امی برابر فہمائش کرتی رہتیں، ایک دن چچا زاد بہن کی لڑکیوں کی شادی سے رات دیر گھر میں پہنچے تو اس وقت بڑی دلسوزی سے کہا کہ ”بیٹے تو پڑھ لیتا تو اچھا ہوتا“، یہ بات دل پر ایسی لگی کہ اسی وقت مدرسہ کے لیے نکل پڑا اور داخلہ کی کاروائی کرکے پڑھنا شروع کر دیا۔

ہمارے مدرسہ جانے کے وقت پولس چوکی جو ہمارے محلے کے کنارے پر ہے، وہاں تک آپ چھوڑنے آتیں اور ایک آدبار اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اسٹیشن تک بھی آئی ہیں اور آنکھوں میں آنسو چھپائے واپس ہوئی ہیں، کبھی اپنی بے انتہا محبت اور کمزوری کو ہم پر ظاہر نہیں کیا، جتنا پڑھنا تھا جہاں تک پڑھنا تھا تمام اخراجات کے ساتھ خوش دلی سے پڑھایا۔

محبت شفقت محنت مشقت رفق و دبدبا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگ کھانیں ہیں (جس طرح سونے چاندی کی کھانیں متفاوت ہوا کرتی ہیں، کسی میں عمدہ دھات نکلتی ہے کسی میں

معمولی یہی حال لوگوں کا ہے، کسی میں فضائل زیادہ ہوتے ہیں کسی میں کم) تم میں سے جو زمانہ جاہلیت میں صاحب فضیلت تھا وہ اسلام میں بھی فضیلت والا ہے جب کہ وہ دینی سوجھ بوجھ حاصل کر لے۔ (بخاری)

ہماری والدہ عالمہ تو نہ تھیں، نہ کچھ پڑھ لکھ سکتی تھیں لیکن وہ دینی سوجھ بوجھ بخوبی رکھتی تھیں، اپنی ذمہ داریوں کے تئیں حساس تھیں۔ حدیث شریف میں ہے عقل مند اور دانا بینا وہ شخص ہے جو اپنا محاسبہ کرے (اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرے) اور موت کے بعد کے اعمال کرے۔

آپ کی دینی فہم کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ہر چیز کو اسی کا حصہ دے رکھا تھا۔ آپ نوافل کی پابندی کرتیں، اشراق اور چاشت حتیٰ کہ آدھی رات کو سونے سے قبل تہجد آپ کی کبھی نہ چھوٹتی لیکن اپنے بچوں کو فرائض پر ہی زور دیتیں۔

اگر آپ دیکھتیں کہ فرائض میں کوئی کوتاہی کر رہا ہے تو اپنے انداز میں اس کو تاکید کرتیں۔ مستحبات پر کوتاہی کو نظر انداز کر دیتیں، ہاں تلاوت کلام پاک کی تاکید کرتی رہتیں۔

آپ کی اولاد میں تبلیغ سے شغف رکھنے والے بھی تھے اور علم اور اہل مدارس سے لگاؤ رکھنے والے بھی۔ لیکن یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ نے کسی ایک جانب مبالغہ برتا ہو۔

آپ دونوں جہتوں کی بہت قدر داں تھیں، دونوں کو ایک دوسرے کی معاون سمجھتی تھیں، خود گھر میں مستورات کا ہفتہ واری تبلیغی اجتماع کراتیں اور بچوں کو دینی تعلیم کے لیے مدرسہ بھیجتیں۔ آپ سے کبھی نہیں سنا گیا کہ فلاں مولانا نے یا تمہارے استاذ نے سال لگایا یا نہیں لگایا بلکہ ہمیں بھی کبھی سال لگانے نہیں کہا نہ ترغیبا نہ حکما۔

یہی خوبی (ہر ایک کو اس کا حصہ دینا اور اعتدال) ہر چیز میں تھا۔ شوہر کو شوہر کی حیثیت دی اور والدین کو والدین کی۔ اگرچہ آپ کو بیٹوں سے زیادہ لگاؤ تھا جو ایک انسانی فطرت ہے قرآن نے بھی موضع انعام میں فرمایا ”وَ بَنِینَ شُہُودًا“ [حاضر رہنے والے لڑکے (ہم نے اس کو دیے)]

لیکن ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے بچیوں کے حقوق تلف ہونے دیے ہوں یا میراث میں سے ان کا حق نہ دیا ہو یا تعلیمی حق ان کا چھینا ہو) غیر ختیاری دلی جھکاؤ کے علاوہ آپ کی حقوق رسانی یکساں تھی۔

والد صاحب کے ساتھ آپ کا برتاؤ تو مجھے دیکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن میں نے دیکھا کہ والد صاحب کے بعد امی نے گھریلو معاملات کی ذمہ داری بڑے بھائی پر ڈال رکھی تھی، ہمیں بھی بہت سے کاموں میں کہہ دیا کرتی تھیں کہ شمیم (بڑے بھائی) سے پوچھ لے۔

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابا کی حیات میں ابا ہی کو گھر کا نگراں حاکم اور ذمہ دار بنا رکھا ہوگا۔ گھریلو معاملات ابا ہی کے حکم سے رواں ہوتے ہوں گے۔ ہم نے دیکھا کہ ابا کو امی پر اپنی ذات، بچوں اور گھریلو اشیاء بلکہ مال کے تعلق سے مکمل اطمنان تھا، ابا ہی نے امی کو بہت کچھ اختیارات دے رکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابا اطمنان سے بیکری پر رہتے صرف ہفتہ میں دو مرتبہ دن میں گھر تشریف لاتے۔ اور تمام مالی تصرفات امی کے علم میں ہوتا۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ ابا کبھی امی سے مال کے تعلق سے یا بچوں کی تربیت کے تعلق سے باز پرس کر رہے ہوں۔ طعام و پوشاک میں اور بچوں کو کھلانے پہنانے میں ابا کی طرح امی کی عادت بھی کفایت شعاری کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کو ہزاروں بلکہ لاکھوں میں ہم نے قرض دیتے ہوئے تو دیکھا ہے قرض لیتے ہوئے نہیں دیکھا، ان دونوں کے انتقال کے بعد ایسی فہرست تو دریافت ہوئیں کہ کن سے پیسے لینے ہیں لیکن ایسا کوئی ایک نام بھی نہیں ملا کہ جن کو پیسے دینے ہیں۔

امی کو یہ بات سخت بے چین کرتی تھی کہ کسی کا مالی حق ان پر یا ان کے کسی بیٹے پر باقی رہے، آپ کا انتقال بھی اس حالت میں ہوا کہ نہ آپ پر واجب الاداء زکات باقی تھی نہ روزوں کا فدیہ۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، ایک لڑکے کو اٹھائے ہوئے تھی دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی، اس نے جو مانگا آپ نے عطا فرمایا، پھر فرمایا: یہ حاملائیں، جننے والیاں اپنے بچوں پر مہربان، اگر نہ لائیں یہ وہ (ایذائیں) جو اپنے شوہروں کو دیا کرتی ہیں تو ان میں سے ہر وہ جو نماز پڑھنے والیاں ہیں جنت میں داخل ہو جائیں۔ [سنن بن ماجہ]

ہم نے نہیں دیکھا کہ امی نے والد صاحب کو زچ کیا ہو، آپ کو ایذاء پہنچائی ہو، اور آپ کی نماز کی پابندی تو پورے خاندان میں مشہور تھی۔ اور ایک گھرانے کے نظم و انصرام کے لیے جن اوصاف کی ضرورت پیش آتی ہے وہ بھی آپ میں کافی حد تک موجود تھیں۔

محبت و شفقت کے ساتھ ساتھ رعب و دبدبا بھی باقی رکھا تھا، رفق و نرمی کے ساتھ ساتھ سختی اور باز پرس بھی روا رکھی تھی، ذمہ داریوں کی تکمیل کے لیے محنت و مشقت بھی تھی۔ گویا میں دیکھ

رہا کہ آپ بازار کا سودا سلف بمشقت لادے لا رہی ہیں۔ اپنے بچوں کو ہسپتال لادے لے جا رہی ہیں، نماز کے لیے کبھی تو کبھی اسکول کے لیے اٹھا رہی ہیں۔ دودھ گرم کر کے ناشتے کا دستر خوان لگا رہی ہیں۔ دو اولاد کی پرورش اج گراں خاطر ہوتی ہیں آپ دس بچوں کی کفالت فرما رہی ہیں۔

آپ نے رفق و دبدبا اور نرمی و سختی کا ایسا بیلنس کر رکھا تھا کہ کوئی اولاد نہ آپ کی گرفت سے نکل سکی اور نہ باغی بن سکی۔

ایک صفت یہ بھی آپ میں نمایاں تھی کہ آپ اپنے بچوں میں شکر رنجی بڑھنے نہیں دیتی تھیں، اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ ان میں ایک دوسرے کے احترام کے ساتھ آپسی لگاؤ اور یگانگت ہو، تفریق و انتشار نہ ہو۔ آپ کسی اولاد سے دوسرے کی برائی سننا نہ پسند کرتی تھیں اور نہ کرنے دیتیں بلکہ اس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش کرتیں۔

بہر حال میرے لیے میرا وہ گھرانہ جو امی کے تحتی میں چلتا تھا جنت نظر تھا، میرے پاس کچھ نہ تھا لیکن سب کچھ اپنا تھا۔ آج میرے پاس گھر ہے گھر والیاں ہیں خود کے بچے ہیں لیکن کچھ نہیں ہے میری اپنی امی میرے پاس نہیں ہے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.